بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ

اے اللہ اس (معاویہ) کو ہادی اور مہدی بنا دے اور اس کو ہدایت یافتہ بنا دے

تذکرہ

کاتبِ وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

مؤلف

مولانا قاری قیام الدین الحسینی

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت اسلامیہ

پنڈ دادنخان ضلع جہلم پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا وَّاھْدِ بِہٖ

اے اللہ اس (معاویہؓ) کو ہادی اور مہدی بنا دے اس کو ہدایت پر قائم رکھ اور ذریعہ ہدایت بنا

تذکرہ
کاتبِ وحی سیّدنا مُعاویہ رضی اللہ عنہ

مؤلف
مولانا قاری قیام الدین الحسینی

ناشر
اِدارۂ نشر و اشاعت اسلامیات
پنڈ دادنخان ضلع جہلم پاکستان

مقدمہ

علامہ سید یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

تقاریظ

حضرت مفتی ولی حسن رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا وَّاھْدِ بِہٖ

اے اللہ اس (معاویہؓ) کو ہادی اور مہدی بنا دے اس کو ہدایت دے اور اس کے ذریعہ

تذکرہ
کاتبِ وحی سیّدنا مُعاویہ رضی اللہ عنہ

مؤلف

مولانا قاری قیام الدین الحسینی

ناشر

اِدارۂ نشر و اشاعت اسلامیات

پنڈ دادنخان ضلع جہلم پاکستان

(حقوق طباعت بحق مؤلف محفوظ ہیں)

سلسلہ مطبوعات

نام کتاب ـ تذکرہ کاتب وحی سیدنا امیر معاویہؓ

مصنف ـــ قاری قیام الدین الحسینی

کل صفحات ـــ ۲۴۰

تاریخ طباعت ـ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ / جولائی ۱۹۹۱ء

پریس ـــ

ناشر ـــ ادارہ نشرواشاعت اسلامیات
پنڈ دادنخاں ـ ضلع جہلم

تعداد ـــ ۱۱۰۰

قیمت ـــ

ملنے کے پتے

۱۔ ادارہ نشرواشاعت اسلامیات، پنڈ دادنخاں ضلع جہلم۔

۲۔ قاری عبدالرحمٰن ضیاء صاحب مدرسہ تعلیم القرآن نزد نیازی ہسپتال خوشاب روڈ سرگودھا۔

۳۔ عبدالستار آزاد مدنی پان شاپ بازار عثمانیہ پنڈ دادنخاں۔

۴۔ مکتبہ مدنیہ، اردو بازار لاہور۔

۵۔ مکتبہ قاسمیہ، اردو بازار لاہور۔

۶۔ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی۔

مُقدّمہ

محدّث العصر

حضرت مولانا محمّد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بانی الجامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خاتم النبیین ہوئے اور منصب رسالت و نبوت کی سیادتِ کبریٰ سے مشرف ہوئے اور آپ کی شریعت کو آخری شریعت اور قیامت تک آنے والی تمام قوموں اور نسلوں کے لیے آخری قانون بنایا گیا تو اس کے لیے دو چیزوں کی ضرورت تھی، ایک یہ کہ یہ آسمانی قانون قیامت تک جُوں کا تُوں محفوظ رہے۔ ہر قسم کی تحریف و تبدیلی سے اس کی حفاظت کی جائے الفاظ کی بھی اور معانی کی بھی۔ کیونکہ اگر الفاظ کی حفاظت ہو اور معانی کی حفاظت نہ ہو، تو یہ حفاظت بالکل بے معنی ہے۔ دوم یہ کہ جس طرح علمی حفاظت ہو۔ اسی طرح عملی حفاظت بھی ہو۔ اسلام محض چند اُصول و نظریات اور علوم و افکار کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ اپنے جلو میں ایک نظامِ عمل لے کر چلتا ہے۔ وہ جہاں زندگی کے ہر شعبے میں اُصول و قواعد پیش کرتا ہے وہاں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے، اس لیے یہ ضروری تھا کہ شریعتِ محمّدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کی علمی و عملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعتِ مُطہّرہ کے علم و عمل کی حامل و امین ہو۔ حق تعالیٰ نے دین محمّدی کی دونوں طرح حفاظت فرمائی، علمی بھی اور عملی بھی۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی جماعت سرِفہرست ہے۔ ان حضرات نے براہِ راست صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سمجھا،

دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسل تک دین کو من وعن پہنچایا، انہوں نے آپؐ کے زیرِ تربیت رہ کر اخلاق و اعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا، سیرت و کردار کی پاکیزگی حاصل کی۔ تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہو کر عقائدِ حقہ اختیار کیے رضائے الٰہی کے لیے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دیا، ان کے کسی طرزِ عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق جل مجدہ نے اس کی اصلاح فرمائی۔ الغرض حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم و تربیت اور تصفیہ و تزکیہ کے لیے سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مُعلّم و مُزکّی اور استاد و اتالیق مقرر کیا گیا۔ اس انعامِ خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں کم ہے، جتنا فخر کریں بجا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (آلِ عمران ع ۱۷)

"بخدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ بھیجا ان میں ایک عظیم الشان رسول، ان ہی میں سے وہ پڑھتا ہے انکے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور گہری دانائی، بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی و عملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی جا رہی تھی، اس لیے ضروری تھا کہ یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لیے قابلِ اعتماد ہوں، چنانچہ قرآن و حدیث میں جا بجا ان کے فضائل و مناقب بیان کیے گئے۔ چنانچہ :-

الف :- وحیِ خداوندی نے ان کی تعدیل فرمائی، ان کا تزکیہ کیا، انکے اخلاص و للّٰہیت پر شہادت دی اور انہیں یہ رتبۂ بلند ملا کہ ان کو رسالتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف

صلوٰۃ وسلام) کے عادل گواہوں کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ	"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے
مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ	سچے رسول ہیں اور جو ایماندار آپ کے
بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا	ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت، اور آپس
يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ	میں شفیق ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع،
وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ	سجدے میں۔ وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا
وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔	فضل اور اسکی رضامندی۔ انکی علامت
(الفتح - ع ۴)	انکے چہروں میں سجدے کا نشان ہے"!

گویا یہاں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) "اللہ کے رسول ہیں" ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضرات صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک و شبہ ہو، اسے آپؐ کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہیئے کہ جس کے رفقاء اتنے بلند سیرت اور پاکباز ہوں وہ خود صدق و راستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہونگے۔ ع

کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ب :۔ حضرات صحابہؓ کے ایمان کو "معیارِ حق" قرار دیتے ہوئے نہ صرف لوگوں کو اس کا نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔ بلکہ ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے والوں پر نفاق و سفاہت کی دائمی مہر ثبت کر دی گئی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ	"اور جب ان (منافقوں) سے
اٰمَنَ النَّاسُ۔ قَالُوْٓا	کہا جائے۔ تم بھی ایسا ایمان لاؤ
اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ	جیسا دوسرے لوگ (صحابہ کرام)
السُّفَهَآءُ۔ اَلَآ اِنَّهُمْ	ایمان لائے ہیں" تو جواب میں

هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (البقرہ ع ۲)

کہتے ہیں "کیا ہم ان بیوقوفوں جیسا ایمان لائیں؟ سن رکھو یہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر نہیں جانتے"۔

ج :۔ حضرات صحابہ کرام کو بار بار "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" (اللہ ان سے راضی ہوا۔ وہ اللہ سے راضی ہوئے) کی بشارت دی گئی اور امت کے سامنے یہ اس شدت وکثرت سے دُہرایا گیا کہ صحابۂ کرام کا یہ لقب اُمت کا تکیہ کلام بن گیا، کسی نبی کا اسم گرامی آپ "علیہ السلام" کے بغیر نہیں لے سکتے اور کسی صحابیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی "رضی اللہ عنہ" کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا۔ نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر بلکہ ان کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو دیکھ کر راضی ہوا ہے، یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہیں ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہو جائے۔ خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہو جانا چاہیے، کسی اور کے بارے میں تو ظن و تخمین ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں؟ مگر صحابۂ کرامؓ کے بارے میں تو نصِ صریح موجود ہے، اسکے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے اور پھر صرف اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا" بلکہ اسی کیساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہا ہے۔

د :۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے مسلک کو "معیاری راستہ" قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ

"اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی،

الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ۔ (النساء ع ۱۷)	جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی، اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر، ہم اُسے پھیر دینگے جس طرف پھرتا ہے ۔

آیت میں "المؤمنین" کا اوّلین مصداق اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدّس جماعت ہے ۔ رضی اللہ عنہم ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباعِ نبوی کی صحیح شکل صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار اور ان کے اخلاق و اعمال کی پیروی میں منحصر ہے اور یہ جبھی ممکن ہے جب کہ صحابہؓ کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے ۔

۵ :۔ اور سب سے آخری بات یہ کہ انہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں آخرت کی ہر عزّت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلّت و رسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا ۔

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ۔	"جس دن رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ کے ساتھ ۔ ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے ۔

اس قسم کی بیسیوں نہیں سینکڑوں آیات میں صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں اور اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ دین کے سلسلۂ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت معاذ اللہ ناقابلِ اعتماد ثابت ہو ۔ ان کے اخلاق و اعمال میں خرابی نکالی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ دین کی علمی و عملی تدبیر نہیں کر سکے تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور ـــــ خاکم بدہن ـــــ رسالتِ محمدیہ مجروح ہو جاتی ہے ۔

دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح و قدح کا نشانہ بناؤ۔ ان کی سیرت و کردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت و عدالت کو مشکوک ثابت کرو۔ صحابہ کرامؓ چونکہ دینِ محمدی کے سب سے پہلے راوی ہیں۔ اس لیے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دینِ اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو ان کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرامؓ تھے۔ چنانچہ فرقِ باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعتِ صحابہؓ کو ہدفِ تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں۔ ان کی سیرت و کردار کو داغدار بنانے اور اُن کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے اخلاق و اعمال پر تنقیدیں کی گئیں۔ ان پر مال و جاہ کی حرص میں احکامِ خداوندی سے پہلوتہی کرنے کے الزامات دھرے گئے۔ ان پر خیانت، غصب اور کنبہ پروری و اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں اور غلو و انتہا پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے "معیار" قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی تھی۔ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ۔ انہی کے ایمان و کفر کا مسئلہ زیرِ بحث لایا گیا اور تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچا دی گئی۔ جن جانبازوں نے دینِ اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا۔ انہی کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے تھے۔ جن مردانِ خدا کے صدق و امانت کی خدا تعالیٰ نے گواہی دی تھی۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔	"یہ وہ "مرد" ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا۔ بعض نے تو جانِ عزیز تک اسی راستہ میں دیدی اور بعض (بے چینی سے) اس کے منتظر ہیں اور ان کے عزم و استقلال میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔

انہی کے حق میں بتایا جانے لگا کہ نہ وہ صدق و امانت سے موصوف تھے نہ اخلاص و ایمان کی دولت انہیں نصیب تھی۔ جن مخلصوں نے اپنے بیوی بچوں کو، اپنے گھر بار کو، اپنے عزیز و اقارب کو، اپنے دوست احباب کو، اپنی ہر لذت و آسائش کو، اپنے جذبات و خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ..... اس کے رسول صلی اللہ وسلم پر قربان کر دیا تھا، انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص و ہوا کے غلام تھے اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا اور رسول کے احکام کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا۔

ظاہر ہے کہ اگر اُمّت کا معدہ ان بے ہودہ نظریات کی مردہ مکھی کو قبول کر لیتا اور ایک بار بھی صحابہ کرامؓ اُمّت کی عدالت میں مجروح قرار پاتے تو دین کی پوری عمارت گر جاتی۔ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ سے امان اُٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک رہنے کے لیے آیا تھا۔ ایک قدم آگے نہ چل سکتا۔ مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے علمِ الٰہی سے اوجھل نہیں تھے۔ اس کا اعلان تھا۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ	"اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا۔
كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔	خواہ کافروں کو کتنا ناگوار ہو۔"

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابۂ کرامؓ کا تزکیہ فرمایا۔ ان کی توثیق و تعدیل فرمائی اور قیامت تک کے لیے یہ اعلان فرما دیا۔

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ	"یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا
الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ	ان کے دل میں ایمان اور مدد دی
مِّنْهُ۔	ان کو اپنی خاص رحمت سے۔"

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے بالخصوص خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل کی تو انتہا کر دی جس کثرت و شدت

اور تواتر و تسلسل کے ساتھ آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب ان کے مزایا و خصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف و کمالات کو بیان فرمایا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنی اُمّت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افرادِ اُمّت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے۔ ان حضرات کا تعلّق چونکہ براہِ راست آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ذاتِ گرامی سے ہے، اس لیے انکی مُحبّت عین محبّتِ رسولؐ ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابلِ معافی جُرم۔ فرمایا:

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰہَ اَللّٰہَ	"اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے
فِیْ اَصْحَابِیْ۔ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ	صحابہ کے معاملہ میں کہہ رکھتا ہوں۔ اللہ
غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ فَمَنْ	سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں۔
اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَ	انکو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا۔
مَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ	کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری
اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ	محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بدظنی
فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ	کی تو مجھ سے بدظنی کی بنا پر جس نے
فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ اٰذَی	ان کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے
اللّٰہَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ۔	مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ
(ترمذی ص۵۴۹)	کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

اُمّت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے ان پر زبانِ تشنیع دراز کرنے کا حق اُمّت کے کسی فرد کو حاصل نہیں۔ ارشاد ہے:۔

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ،	"میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو کیونکہ
فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ	تمہارا وزن انکے مقابلے میں اتنا بھی نہیں

مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ۔ (بخاری و مسلم)

جتنا کہ پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہو سکتا ہے چنانچہ) تم میں سے ایک شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جَو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اُس کے عُشرِ عشیر کو۔"

مقامِ صحابہ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُمّت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں، فرمایا۔

اِذَا رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَسُبُّوْنَ اَصْحَابِيْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى شَرِّكُمْ۔ (ترمذی)

"جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہتے اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہ میں سے) جو بُرا ہے اس پر اللہ کی لعنت (ظاہر ہے کہ صحابہ کو بُرا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)۔

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی و نبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کرامؓ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرزِ عمل قرآن کریم کے نصوصِ قطعیہ اور ارشاداتِ نبوّت کے انکار کے مترادف ہے۔ یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرائض بحیثیتِ نبوّت کے عائد کیے تھے۔ اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیۂ نفوس کا تھا۔ گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری سے قاصر رہے اور تزکیہ نہ کر سکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب

ہے۔ حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیہ سے قاصر رہے تو گویا حق تعالیٰ نے آپؐ کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا۔ انّا للّٰہِ۔ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا۔ تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا۔ نعوذ باللہ من الغواية والسفاهة۔ چنانچہ اہلِ ہوا کی بڑی جماعت کا دعویٰ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو "بدا" ہوتا ہے، یعنی اُسے بہت سی چیزیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں۔ بعد میں معلوم ہوتی ہیں اور اس کا پہلا علم غلط ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور ہو، رسول اور نبی اور ان کے بعد صحابہ کرامؓ کا ان کے نزدیک کیا درجہ رہے گا؟

الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اُچھالنے اور انہیں موردِ الزام بنانے کا قصہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ خدا و رسول، کتاب و سُنّت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ بعید نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جو اُوپر نقل کیا گیا ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔

مَنْ آذاهُمْ فَقَدْ آذانِيْ	"جس نے انکو ایذا دی اس نے مجھے
وَمَنْ آذانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ	ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے
وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ	اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو
اَنْ يَّاخُذَهٗ۔	ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اُسے پکڑ لے۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام فِرَقِ باطلہ کے مقابلے میں اہلِ حق کا امتیازی نشان صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت رہا ہے۔ تمام اہلِ حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے۔

ونكف عن ذكر الصحابة	"اور ہم صحابہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی

الا بخیر۔ اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں گے۔

گویا اہل حق اور اہل باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابہ کرامؓ کا "ذکر بالخیر" ہے جو شخص ان حضرات کی غلطیاں چھانٹتا ہو، ان کو موردِ الزام قرار دیتا ہو اور ان پر سنگین اتہامات کی فردِ جرم عائد کرتا ہو وہ اہلِ حق میں شامل نہیں ہے۔

جو حضرات اپنے خیال میں بڑی نیک نیتی، اخلاص اور بقول ان کے وقت کے اہم ترین تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے قبائح صحابہ کو ایک مرتب فلسفے کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اسے "تحقیق" کا نام دیتے ہیں، انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تسوید اوراق کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ جدید نسل کو دین کے نام پر دین سے بیزار کر دیا جائے اور ہر ایرے غیرے کو صحابہ کرامؓ پر تنقید کی کھلی چھٹی دے دی جائے، جنہیں نہ علم نہ عقل نہ فہم نہ فراست۔

اور یہ نرا اندیشہ ہی اندیشہ نہیں بلکہ کھلی آنکھوں اسکا مشاہدہ ہونے لگا ہے۔

الامان والحفیظ۔

کہا جاتا ہے کہ "ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ سارا مواد موجود تھا۔ ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ ہم نے اسے جمع کر دیا ہے"۔ افسوس ہے کہ یہ عذر پیش کرتے ہوئے بہت سی اصولی اور بنیادی باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ورنہ بادنیٰ تامل واضح ہو جاتا کہ صرف اتنا عذر طعنِ صحابہ کی وعید سے بچنے کے لیے کافی نہیں، اور نہ وہ اتنی بات کہہ کر بریٔ الذمہ ہو سکتے ہیں۔

اوّلاً:۔ قرآن کریم کے نصوصِ قطعیہ، احادیث ثابتہ اور اہلِ حق کا اجماع، صحابہ کی عیب چینی کی ممانعت پر متفق ہیں، ان قطعیات کے مقابلے میں تاریخی قصہ کہانیوں کا سرے سے کوئی وزن ہی نہیں۔ تاریخ کا موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں تمام رطب و یابس اور صحیح و سقیم چیزیں جمع کی جاتی ہیں، صحت کا جو معیار "حدیث" میں قائم

رکھا گیا ہے، تاریخ میں وہ معیار نہ قائم رہ سکتا تھا نہ اسے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اس لیے حضرات محدثین نے ان کی صحت کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔ حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں۔

وَلْيَعْلَمِ الطَّالِبُ اَنَّ السِّيَرَ يجمع ما صح وما قد نكر۔

یعنی۔ علم تاریخ و سیر صحیح کر لیتا ہے۔

اب جو شخص کسی خاص مدّعا کو ثابت کرنے کے لیے تاریخی مواد کو کھنگال کر تاریخی روایات سے استدلال کرنا چاہتا ہے اسے عقل و شرع کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف یہ دیکھ لینا کافی نہیں ہے کہ یہ روایت فلاں فلاں تاریخ میں لکھی ہے۔ بلکہ جس طرح وہ سوچتا ہے کہ یہ روایت اس کے مقصد و مدّعا کے لیے مفید ہے یا نہیں؟ اسی طرح سے اس پر بھی غور کر لینا چاہیے کہ کیا یہ روایت شریعت یا عقل سے متصادم تو نہیں؟ اس اُصول کی وضاحت کے لیے یہاں صرف ایک مثال کا پیش کرنا کافی ہوگا۔

آپ خلیفۂ راشد، اُسے کہتے ہیں جو ٹھیک ٹھیک منہاجِ نبوت پر قائم ہو اور اس کا کوئی عمل اور کوئی فیصلہ منہاجِ نبوت کے اعلیٰ معیار سے ہٹا ہوا نہ ہو۔ اب آپ ایک صحابیؓ کو خلیفۂ راشد تسلیم کرتے ہوئے اس پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے بلا کسی استحقاق کے مالِ غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) اپنے فلاں رشتہ دار کو بخش دیا تھا سوال یہ ہے کہ "خلافتِ راشدہ" اور "منہاجِ نبوت" یہی ہے جس کی تصویر اس افسانے میں دکھائی گئی ہے؟ اور آج کے ماحول میں اس روایت کو من و عن تسلیم کرنے سے کیا یہ ذہن نہیں بنے گا کہ خلافتِ راشدہ کا معیار بھی آج کے جائر حکمرانوں سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہوگا جو اپنے رشتہ داروں کو روٹ پرمٹ اور امپورٹ لائسنس مرحمت فرماتے ہیں؟ اسی پر ان دوسرے الزامات کو قیاس کر لیجیے جو بڑی شانِ تحقیق سے عائد کیے گئے ہیں۔

ثانیاً :- یہ تاریخی روایات آج یکایک نہیں اُبھر آئی ہیں، بلکہ اکابر اہلِ حق کے سامنے یہ سارا مواد موجود رہا ہے اور وہ اس کی مناسب تاویل و توجیہ کر چکے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ان تاریخی واقعات کو بڑی آسانی سے کسی اچھے محمل پر محمول کیا جا سکتا ہے، اب ایک اُٹھتا ہے اور "بے لاگ تحقیق" کے شوق میں ان کے ایسے محمل تلاش کرتا ہے جس سے صحابۂ کرامؓ کی صریح تنقیص اور ان کی سیرت و کردار کی گراوٹ مفہوم ہوتی ہے، تو کیا اس کے بارے میں یہ حُسنِ ظن رکھا جائے کہ صحابۂ کرام کے بارے میں وہ "حُسنِ ظن" رکھتا ہے؟

اور عجیب بات یہ کہ جب اُس کے سامنے اکابر اہلِ حق کے طرزِ تحقیق کا حوالہ دیا جاتا ہے تو ان حضرات کو "وکیل صفائی" کہہ کر ان کی تحقیقات کو قابلِ التفات نہیں سمجھتا، غالباً یہ دنیا کی نرالی عدالت ہے، جس میں "وکیلِ استغاثہ" کے بیان پر یک طرفہ فیصلہ دیا جائے اور "وکیل صفائی" کے بیانات کو اس جُرم میں نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ کسی مظلوم کی طرف سے صفائی کا وکیل بن کر کیوں کھڑا ہو گیا ہے؟

اُوپر قرآن و سُنّت کے جن نصوص کا حوالہ دیا گیا اور اہلِ حق کے جس اجتماعی فیصلے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہو گا کہ صرف حافظ ابنِ تیمیہ اور شاہ عبدالعزیز ہی نہیں، بلکہ خدا اور رسُول اور پُوری اُمّت کے اہلِ حق، صحابۂ کرام کے "وکیل صفائی" ہیں۔ اَب یہ فیصلہ کرنا ہر شخص کی اپنی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ وکیلِ صفائی کی صف میں شامل ہونا پسند کرتا ہے یا وکیل استغاثہ کی صف میں۔

ثالثاً :- اِن تاریخی روایات کے متفرق جزئیات کو چُن چُن کر جمع کرنا، انہیں ایک مربُوط فلسفہ بنا ڈالنا، جزئیات سے کلیات اخذ کر لینا اور ان پر ایسے جلی اور چبھتے ہوئے عنوانات جمانا جنہیں آج کی چودھویں صدی کا فاسق سے فاسق بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرے گا۔ یہ نہ تو دین و ملّت کی کوئی خدمت ہے نہ اسے اسلامی تاریخ کا صحیح مطالعہ کہا جا سکتا ہے، البتہ اسے "تاریخ سازی" کہنا بجا ہو گا۔

بقول سعدیؒ ع

ولیکن قلم در کفِ دشمن است

میں پوچھتا ہوں کیا کوئی ادنیٰ مسلمان اپنے بارے میں یہ سننا پسند کرے گا کہ اس نے خدائی دستور کو بدل ڈالا؟ اس نے بیت المال کو گھر کی لونڈی بنا لیا؟ اس نے مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی؟ اس نے عدل و انصاف کی مٹی پلید کر ڈالی؟ اس نے دیدہ و دانستہ نصوصِ قطعیہ سے سرتابی کی؟ اس نے خدائی قانون کی بالاتری کا خاتمہ کر ڈالا؟ اس نے اقربا پروری و خویش نوازی کے ذریعہ لوگوں کی حق تلفی کی؟ کیا کوئی معمولی قسم کا متقی اور پرہیزگار آدمی ان جگر پاش اتہامات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرے گا؟ اگر نہیں — اور یقیناً نہیں — تو کیا صحابۂ کرامؓ ہم نالائقوں سے بھی گئے گذرے ہو گئے؟ کہ ایک دو نہیں بلکہ مثالب و قبائح اور اخلاقی گراوٹ کی ایک طویل فہرست ان کے نام جڑ دی جائے۔ پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اُسے اُچھالا جائے۔ اور روکنے اور ٹوکنے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔

کیا صحابۂ کرام کی عزت و حرمت یہی ہے؟ کیا اسی کا نام صحابہؓ کا "ذکر بالخیر" ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابہؓ اسی احترام کے مستحق ہیں؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھول جانا چاہیے۔

"جب تم ان کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ کہو" تم میں سے (یعنی صحابۂ کرام اور ان کے ناقدین میں سے) جو برا ہو اس پر اللہ کی لعنت" (ترمذی)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ، بعد کی امت کے لیے حق و باطل کا معیار ہیں، انہیں معیتِ نبویؐ کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلے میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جَو کے برابر بھی نہیں، کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو انکی خاکِ پا

بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لیے مایۂ صد افتخار ہے۔ اس لیے اُمّت کے کسی فرد کا۔ خواہ وہ اپنی جگہ مفکرِ دوراں اور علامۂ زماں ہی کہلاتا ہو۔ ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے۔ ع

ایاز! قدر خویش بشناس

یہ دنیا حق و باطل کی آماجگاہ ہے، یہاں باطل، حق کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے، بسا اوقات ایک آدمی اپنے غلط نظریات کو صحیح سمجھ کر ان سے چمٹا رہتا ہے جس سے رفتہ رفتہ اس کے ذہن میں کجی آجاتی ہے اور بالآخر اس سے صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط سمجھنے کی استعداد ہی سلب ہو جاتی ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اہلِ حق و تحقیق کی یہ شان نہیں کہ وہ "میں یہ سمجھا ہوں" کی برخود غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور جب انہیں اخلاص و خیر خواہی سے تنبیہ کی جائے تو تاویلات کا "ضمیمہ" لگانے بیٹھ جائیں۔ اہلِ حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم و زبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں۔ حق تعالیٰ جَلَّ ذکرہٗ ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ہر زیغ و ضلال سے محفوظ فرمائے اتباعِ حق کی توفیق بخشے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا، وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه صفوة البريّة محمّدٍ وعلیٰ اٰله واصحابه واتباعه اجمعين ۔ اٰمين ۔

تقریظ

رائس الاتقیاء زینتِ بزم اہل اللہ حضرت سیّد نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم لاہور
خلیفۂ مجاز قطب الاقطاب حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبّت جزوِ ایمان ہے

اصحابِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبت جزوِ ایمان ہے سعادت مند ہیں وُہ لوگ جن کے قلوب میں ان کی محبّت وعقیدت موجزن ہے حضورؐ کا ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی بھی اس مقامِ رفیع پر فائز ہے جہاں اُمّت کے دوسرے افراد کی رسائی نہیں چاہے وُہ غوث ہوں، قطب ہوں، ابدال ہوں، فقہا ہوں، محدثین ہوں یا مجددین ہوں۔

تیرہ بخت ہیں وُہ لوگ جن کے سینہ و دل صحابہ کرام کے بغض وکینہ کی کمین گاہیں ہیں۔ چاند پر تھوکا اپنے منہ پر گرتا ہے۔ جس مقدس جماعت کی شان پر قرآنِ حکیم شاہد ہو اور جس کی مدح میں خود سیّد الاولین والآخرین رطب اللسان ہوں اُسے مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں۔ لیکن افسوس ہے ان پر جنہوں نے ان پاکبازانِ اُمّت کی عداوت میں اپنا ظاہر و باطن سیاہ کر لیا۔ آخرت میں جب اپنے انجام کو پہنچیں گے اور اپنے کئے کی سزا پائیں گے تو سوائے حرمان و یاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا ان نفوسِ قدسیہ کے درجات عالیہ تو لحظہ بہ لحظہ ترقی پذیر ہیں۔ خاک اُڑانے والے اپنے ہی سروں میں خاک ڈالتے رہیں گے۔

یوں تو پوری جماعتِ صحابہؓ ہی ان ظالموں کے سب وشتم کا نشانہ ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ امام مظلوم حضرت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے زہر آلود تیروں کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدبختوں سے

پوری اُمّت کو محفوظ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا قاری قیام الدّین حسینی صاحب زید مجدہٗ کو جزائے خیر سے نوازے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں پیش نظر رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مؤلف ممدوح کے لیے ذخیرۂ آخرت اور عامۃ الناس کے لیے ذریعۂ ہدایت بنائے۔ قاری صاحب نے یہ رسالہ حق و اعتدال کے دائرہ میں رہ کر بہت مُدلّل لکھا ہے اور صحیح روایات اس میں نقل فرمائی ہیں۔ امید ہے کہ یہ رسالہ اہل سُنّت کے بعض مسموم ذہنوں کے لیے بھی تریاق ثابت ہوگا۔

آخر میں یہ اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس زمانے میں محمود عباسی کی تحریروں سے متاثر ہونے والے اکثر لوگ حضرت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے جادۂ حق سے تجاوز کر جاتے ہیں اور خاتم الخلفاء الراشدین حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی تنقیص و تنقید کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی افراط و تفریط سے بھی مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی قدس سرہٗ کی وفات پر ایک مضمون میں ان کے غیر معمولی اعتدال کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہِ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے۔ اللہ ہی اگر توفیق دے اور دستگیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر قائم رہ سکتا ہے۔ ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط و تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات اور اکثری تجربہ ہے۔ ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا۔ صرف ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سُنا ہے۔ ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین کی پہلی صف کے بھی اکابرین اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صفِ نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔"

(الفرقان لکھنؤ نمبر ۱۰۵ ۔ ۱۹۷۷ء)

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو راہِ حق و اعتدال نصیب فرمائے اور آخرت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب کے ساتھ محشور فرمائے۔ آمین

سید نفیس الحسینی

کریم پارک لاہور

۱۸ رجب ۱۴۰۶ھ

تقریظ

از یادگارِ اسلاف مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی دامت برکاتہم خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدینۃ النبی ورئیس شعبہ افتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی ۱۴

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مینارۂ نور ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی ان ہی نفوسِ قدسیہ کے ذریعہ دنیا میں پھیلی اور دنیا بقعۂ نور بن گئی۔ عبداللہ بن سبا کی ذریت اس روشنی کو ظلمت میں تبدیل کرنیکی فکر میں رہی اور ایک جماعت صحابہ کرام کے مقابل کھڑی کر دی موجودہ زمانہ میں اس جماعت کا امام ضلال و زیغ خمینی[1] ہے جس کو امریکہ و روس نے بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے اور مسلمان کو مٹانے کے لیے اسکو تیار کیا ہے۔ ان لوگوں کے دو محاذ ہیں۔ دونوں سے برسرِ پیکار ہیں۔ ایک محاذ فکری ہے۔ فکری محاذ پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اعتراضات کرنا اور ان میں کیڑے نکالنا اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈالنا ان کا شیوہ ہے خال المؤمنین حضرت معاویہؓ کی ذاتِ گرامی انکے شکوک وشبہات کی زد میں ہے امتِ مرحومہ نے ہر دور میں اعتراضات کے جوابات دینے کی کامیاب کوششیں کی ہیں ابن حجر الہیتمیؒ کی کتاب تطہیر الجنان واللسان خاصہ کی چیز ہے۔ امام اہل سنت وجماعت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ نے اسکا اردو ترجمہ کیا تھا۔ اب وہ ترجمہ میرے کرم فرما دوست علی مظہر صاحب نقوی چھاپ رہے ہیں انشاء اللہ بہت جلد شائقین کے ہاتھوں میں آجائیگا[2]۔ مولانا قاری قیام الدین الحسینی نے حضرت معاویہؓ کے حالات پر پُر مغز کتاب لکھی ہے۔ جو آپکے ہاتھوں میں ہے۔ کتاب بڑی محنت سے لکھی ہے اور مصنف عقائد صحیحہ سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے اور مسلمان اس کتاب کے ذریعہ اپنے ذہن وفکر کو روشن بنائیں۔

بتاریخ
۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

---

[1] اب یہ ترجمہ شائع ہوکر منظرِ عام پر آگیا ہے۔

[2] جو مر چکا ہے۔

تقریظ

محافظِ ختم نبوت فقیہ جلیل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہ مدیر ماہنامہ بینات کراچی، خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں حضرت صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل وارد ہیں۔ اس لیے ان اکابر کے ساتھ عقیدت و محبت تقاضائے ایمان ہے اور ان سے بغض و عداوت، علامت نفاق ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ عقیدۂ سلفیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وحبھم دین وایمان و احسان وبغضھم نفاق وطغیان (ص۲۳)

صحابہ کرام سے محبت دین و ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض نفاق و طغیان ہے۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

ومن احسن القول فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم وازواجہ واولادہ فقد برئ من النفاق (ص۲۴)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب و ازواج اور اولاد سے حسنِ عقیدت رکھے اور بھلی بات کہے وہ نفاق سے بری ہے۔

صحابہ کرامؓ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گوناگوں فضائل و کمالات کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ اجتہادی رائے کی بنا پر انکے درمیان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان مشاجرات کی نوبت آئی۔ اس لیے شیعہ اور ان کے ہمنواؤں نے طعنِ صحابہ کے لیے ان کی ذات گرامی کو زینے کے طور پر استعمال کیا اور ان کے حق میں یاوہ گوئی کر کے اپنے نفاق و طغیان کا مظاہرہ کیا۔ بہت سے خام فہم اہل قلم نے بھی ان کی عظمت و جلالت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اور کارناموں کی اشاعت

کی جائے، تاکہ اہل فہم کو ان کے مقام و مرتبہ سے آگاہی ہو۔ اس سلسلہ میں ہمارے محترم جناب مولانا قیام الدین صاحب نے یہ کتاب تالیف فرمائی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی اس خدمت کو شرف قبول نصیب فرمائیں اور اہل اسلام کو اس سے مستفیض فرمائیں

وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

تقریظ

از رئیس المناظرین وکیلِ صحابہ کرام حضرت مولانا ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب

(پی ایچ ڈی لندن) ۔ لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ:

اس دورِ پُرفتن میں اسلام پر ملحدین کی یلغار احادیثِ رسولِ خیر الانام اور حضرات صحابہ کرام پر حملوں سے شروع ہوتی ہے۔ نوجوانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی یہ تاریک راہ تاریخ کے ہر موڑ پر ایک نیا رُخ اختیار کرتی رہی ہے اور اس کے پیچھے یہود و نصاریٰ کے تربیت یافتگان اپنا کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلۂ باطل کی یہ محنت سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے شروع ہوتی ہے مسلمان کسی درجہ میں اسے برداشت کرلیں تو پھر اس کا رُخ دوسرے اکابر کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے اہل حق دفاع کا پہلا مورچہ اسی باب سے شروع کرتے ہیں۔ فاضل مئولف مولانا قیام الدین صاحب حسینی پاکستان کے جس علاقہ میں دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ سبائی قوتیں اصحابِ رسول کے خلاف یہاں برسوں سے بغض و عناد کا لاوا اگل رہی ہیں مبارک ہیں وہ حضرات جو یہاں اس مقدس طبقہ کی طرف سے مدافعت کریں، مولانا قیام الدین حسینی نے یہ کتاب لکھ کر وقت اور علاقہ کی ایک اہم دینی خدمت سرانجام دی ہے احقر عدیم الفرصتی کے باعث اس کا اِستیعاباً مطالعہ نہیں کرسکا۔ تاہم اس کا مقدمہ اور عنوانات مختلف مقامات سے دیکھے۔ مئولف ایک راسخ العقیدہ سنی مسلمان ہیں اور انہوں نے مسلک کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے موضوع کا حق ادا کیا ہے۔

فَجَزَاہُ اللّٰہُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ اَھْلِ الْحَقِّ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

انتساب

اُسوۃ الصلحاء اُستاذ الحفاظ والعلماء والدِ مکرم
حضرت قاری حافظ سراج الدّین رحمۃ اللہ علیہ کے نام

جو اخلاص و تواضع، عفو و درگذر، خدا ترسی و غریب پروری، معاملہ فہمی و نکتہ رسی سادگی و قناعت، دیانت و امانت، حافظہ و ذہانت میں سلف صالحین کی یادگار شیخ العرب والعجم فخر المحدثین مولانا السیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید و عاشق صادق تھے؛ جنہوں نے گکھڑ کوٹ ضلع بھکر میں تقریباً ۳۰ برس قرآن کریم کی ناقابل فراموش تدریسی خدمات سرانجام دیں؛ اور جمعیّت علمائے اسلام کے معتمد علیہ نمائندہ کی حیثیت سے علمائے حق کے زیر سایہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے بھرپور جدوجہد کی؛ اور ایک بار قومی اسمبلی کی سیٹ سے الیکشن میں حصّہ لیا؛ انہیں کی نیک دعاؤں، حسین تمناؤں، سعی و کاوش اور تعلیم و تربیت کے صلہ میں اس ناچیز کو کاتبِ وحی، خالُ المؤمنین سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی پر رسالہ ترتیب دینے کی توفیق ہوئی۔

اور اس طرح اپنے اکابر و احباب کی دعاؤں کی قوی آس لگی۔

اَللّٰھُمَّ ارفع درجاتہٗ واغفرلہ وارحمہ واجعل قبرہ روضۃً من ریاض الجنّۃ۔

گذارش اوّلین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ۔ اَمَّا بَعۡدُ۔

جیسے جامع القرآن ۔شہید مدینۃ الرسول ۔ہم زلفِ علی مرتضیٰ رضؓ ۔رفیق شیخین ۔ داماد نبیؐ خلیفۂ راشد ثالث حضرت عثمان غنی ذو النورین رضی اللہ عنہ اپنے گوناگوں اوصاف حمیدہ واخلاق جمیلہ کے باوجود مظلوم ترین صحابی ہیں کہ روافض تو کیا بعض دوسرے مسلمان کہلانے والے جدت پسند اہلِ قلم نے بھی انھیں نہ بخشا ۔ اسی طرح کاتب وحی ۔خال المؤمنین سیّدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی جلالتِ قدر اور رفعتِ شان کے باوجود بڑے مظلوم ہیں اگر ایک طرف سبائیوں نے انھیں طعن وتشنیع اور اتہامات کا نشانہ بنایا تو دوسری طرف سُنّی کہلانے والے بعض اصحابِ قلم نے ان کے مثالی کردار اور تاریخی تابناک کارناموں کو جھٹلانے کی مذموم کوشش کی ۔ سبائی ہوں یا تجدد پسند ان کی تمام ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی میں ابنِ سبا ملعون کی ذہنیت کارفرما نظر آتی ہے ۔ ان لوگوں نے جھوٹے افسانوں اور فرضی داستانوں پر رنگ چڑھا کر پیش کیا ہے ۔ سبائیوں کو جب تحریفِ قرآن کریم کا عقیدہ علانیہ پرچار کرنے کی صورت میں غیور اہل سُنّت وجماعت کی طرف سے شدید ردِّ عمل کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہ ہوا تو صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین اور حضرت معاویہ رضؓ ایسے مقدس نفوس کو کردار کشی کا بیڑا اٹھایا کہ جب نزولِ قرآن کریم کے عینی گواہوں اور اس کے جمع کرنے اور کتابت کرنے والوں پر جرح کر کے ناقابلِ اعتبار ٹھہرا دیا جائے گا ۔ تو خام ذہنوں میں موجودہ قرآن کریم کے مشکوک ہونے کا اعتقاد آسانی سے جڑ پکڑے گا : ماضی قریب میں گڑھ مہاراجہ (ضلع جھنگ)

میں بائیوں نے قرآن کریم کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس پر یہ واقعہ شاہد ہے کہ انہوں نے یہاں موجود قرآن کریم کے متعدد نسخے یہ کہہ کر نذرِ آتش کر ڈالے کہ یہ (معاذ اللہ) شرابیوں کا قرآن ہے۔ جن کا یہ نظریہ ہو۔ ان کا اسلام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور ان کے کفر میں شبہ کرنے والوں کے لیے اس سے زیادہ اور کیا درسِ عبرت ہوگا ایران کے سربراہ خمینی بھی بائیت کے علمبردار اثنا عشری شیعہ ہیں جن کے مذہبی افکار و نظریات اپنے پیش رو حضرات سے بھی سخت ہیں ان کے مذہب کی معتبر کتابوں میں دو ہزار سے زائد ایسی متواتر روایات موجود ہیں جو موجودہ قرآن کریم کو مُحَرَّف و مشکوک ثابت کرتی ہیں۔ جیسا کہ علامہ نوری طبرسی نے اپنی مشہور کتاب: فصلُ الخطاب: میں تصریح کی ہے: الحکومۃُ الاسلامیہ میں خمینی نے خلفائے راشدین ثلٰثہ پر تو یوں پھبتی کسی کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت علیؓ کو اپنے بعد کے لیے خلیفہ مقرر فرما دیا تھا" اس سے یہ تینوں حضرات ظالم و غاصب قرار پاتے ہیں (معاذ اللہ) اور اپنی ایک دوسری رسوائے زمانہ کتاب: کشف الاَسرار (فارسی) میں خلفائے راشدین ثلٰثہ اور دیگر صحابہ کرام کے خلاف یہ لکھ کر اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا، "آنکہ ممکن بود در صورتیکہ امام را در قرآن میکردند آنہا نیکہ جز برائے دنیا و ریاست با اسلام و قرآن سروکار نداشتند و قرآن را وسیلہ اجرائے نیات فاسدہ خود کردہ بودند آں آیات را از قرآن بر دارند و کتاب آسمانی را تحریف کنند" صـ۱۱۴ ترجمہ: اگر امام کا نام قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صراحتہً بھی ذکر کر دیتا تو عین ممکن تھا کہ وہ لوگ (مراد خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام ہیں) جنھوں نے اسلام اور قرآن سے تعلق صرف دنیا بٹورنے اور اقتدار حاصل کرنے کے لیے قائم کیا تھا اور قرآن کو اپنی اغراضِ فاسدہ کے پورا کرنے کا ذریعہ بنایا تھا امام کے نام والی آیات ہی قرآن پاک سے نکال دیتے اور آسمانی کتاب میں تحریف کر ڈالتے: اس عبارت میں خمینی نے بڑی چابکدستی سے خلفائے راشدین ثلٰثہ و دیگر صحابہ کرام کو یہ کہہ کر (معاذ اللہ) منافق قرار دیا کہ اسلام اور قرآن سے ان کا تعلق مخلصانہ نہ تھا۔

محض دنیا بٹورنے اور اقتدار طلبی کے لیے تھا اور واقعۂ قرطاس کے حوالہ سے امام عدل وحُریّت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کافر و زندیق کا فتویٰ لگایا چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کے صـ ۱۱۹ پر لکھا ہے " ایں کلام یا وہ کہ از اصلِ کفر و زندقہ ظاہر شدہ

" ایں کلام یا وہ کہ از اصلِ کفر و زندقہ ظاہر شدہ مخالفت بآیاتے از قرآن کریم "

ترجمہ : یہ بے ہودہ کلام جو کہ کفر اور زندیقی کی اصل (مراد حضرت عمرؓ ہیں) سے ظاہر ہوئی ہے قرآن کریم کی آیات کی مخالفت ہے۔

اور صـ ۱۰۷ پر مندرجہ ذیل الفاظ سے حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کو معاذ اللہ بدقماش قرار دیا : لکھا ہے۔

"ما خدائے را پرستش مے کنیم و مے شناسیم کہ کارہایش برا ساس عقل پائیدار و بخلاف گفتہ عقل ہیچ کارے نکند نہ آں خدائے کہ بنائے مرتفع از خدا پرستی و عدالت و دینداری بنا کند و خود بخرابی آں بکوشد و یزید و معاویہؓ و عثمانؓ و از ایں قبیل چپا و لچی ہائے را امارت دہد"

ترجمہ : ہم تو اس خدا کے پرستار اور پہچاننے والے ہیں۔ جسکے تمام کام عقل کی بنیاد پر پائیدار ہوں اور عقل کے کہے کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔ ہم اس خدا کے پوجنے والے نہیں جو خدا پرستی۔ عدالت اور دینداری کی پہلے تو خود اونچی بلڈنگ تعمیر کرے اور پھر خود ہی اسے یوں گرانے کی کوشش کرے کہ یزید۔ معاویہ۔ عثمان اور اس قسم کے (دوسرے) بدقماش لوگوں کو حکومت و امارت دے دے۔

ان عبارات کو بار بار پڑھیے اور صحابہ کرام کی اس جماعت کے متعلق خمینی کے اندرونی خبث اور کینہ و عداوت کا اندازہ لگائیے جس کو حق تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم کا تمغہ و اعزاز بخشا

اور الحکومۃ الاسلامیہ (مترجم اردو) صـ۱۴۹ پر خمینی لکھتے ہیں: حضرت معاویہ کی حکومت ایک اسلامی حکومت کا نمونہ نہ تھی۔ اسے اسلامی حکومت کے ساتھ دور و نزدیک کی کوئی مشابہت نہ تھی۔ آگے صـ۱۶۲ پر کاتب وحی سیدنا معاویہؓ پر تنقید کا نشتر چلاتے ہوئے مزید لکھتے ہیں: جب آپؑ کو یہ خبر ملتی کہ حضرت معاویہؓ کے لشکر نے غریب اور کمزور لوگوں پر لوٹ مار کی ہے۔ ان میں سے کسی نے کسی ذمی عورت یا کسی زیر حفاظت کافر عورت پر دست درازی کی ہے۔ کسی کی بالیاں چھین لی ہیں اور کسی کی پازیب اتار لی ہے تو آپ رنج و الم سے پھوٹ پڑتے۔

حضرت معاویہؓ کے ظلم و ستم کی جھوٹی داستان بیان کرنے والے سربراہ ایران کو اپنے دور کے عدل و انصاف کا نقشہ بھی تو پیش کرنا چاہیے تھا۔ کردستان کے وہ سنی جو صرف دو سال کی مدت میں خمینی کی تیغ ستم کا نشانہ بنے ان کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے حضرت مولانا مہر محمد صاحب مدظلہ، تحفۂ امامیہ صـ۳۳۵ پر بحوالہ نوائے وقت لاہور ۱۸ صـ۱ کالم ۸ تحریر کرتے ہیں: "دو برسوں کے دوران دس ہزار سے زیادہ کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے۔ تہران کے ممتاز اخبار میزان کے مطابق کردستان کے ایک لیڈر عبدالرحمٰن نے انکشاف کیا ہے کہ گذشتہ دو سال کے دوران علماء کے حکم پر دس ہزار سے زائد کردوں کو ہلاک کیا جا چکا ہے۔ سنیوں کے علاوہ کتنے لوگ سربراہ ایران نے ہضم کئے۔ انکی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں خمینی کے اثنا عشری چیلے اور کیا کچھ خرافات و بکواسات لکھتے ہیں۔ اس کا ذیل کے چند اقتباسات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

غلام حسین نجفی فاضل عراق اپنی پلید کتاب سہم مسموم صـ۱۰۴ پر تحریر کرتا ہے: ہمارے نزدیک یہ چاروں (معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوہریرہؓ، عروہؓ) جھوٹے اور کذاب ہیں۔ اور اپنی کتاب قول مقبول صـ۳۱۸ پر (اپنے شقی و بد باطن ہونے کا ثبوت دیتے

ہوئے از ناقل) لکھتا ہے : پس نتیجہ یہ نکلا کہ چونکہ ابوسفیان کے زنا پر اہل سنت کا اجماع ہے لہذا اس کی اولاد میں سے کوئی فرد بھی خلیفہ نہیں ہو سکتا (حالانکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو کر ان کو خلیفہ تسلیم کیا ہے حسینی)

اور صـ۳۲۴ پر لکھا ہے : اولادِ زنا زیادہ شریف اور ذہین ہوتی ہے۔ کیونکہ زنا پوری شہوت اور خوشی سے کیا جاتا ہے (شاید اسی لیے شیعہ فرقہ نے متعہ کے نام سے زنا اور بدکاری کے اڈے کھول رکھے ہیں۔ اور اسی کے ذریعہ نوجوانوں کو پھنسا کر پکا مومن بنا دیتے ہیں اور اس کاروبار کو اپنے اماموں کی سُنت بتلاتے ہیں۔ ناقل) اور حلال ہمبستری تو صرف بیوی کو خوش کرنے کی خاطر ہوتی ہے ورنہ کسی شریف آدمی کو (جیسے نجفی صاحب از ناقل) حلال ہمبستری میں کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ پس اس مقدس فعلِ زنا (شیعہ مذہب کے مطابق از ناقل) کا معجزہ اور کرامت ہے کہ جناب عمرو بن عاص اور حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ دنیائے اسلام کے مایہ ناز سیاست دان تھے۔ (نجفی صاف بھی یہی وجہ ہوگی کہ صحابہ کرام کے خلاف جھوٹا مواد اکٹھا کر کے عوام الناس کو گمراہ کرنے کے میدان میں بڑے ذہین اور شریف ثابت ہوئے ہیں نجفی صاحب نے مذکورہ بالا ناپاک عبارات کے ذریعہ شیعہ مذہب کی کوئی خدمت نہیں کی البتہ خارجی ذہن کے لوگوں کے ہاتھ میں ہتھیار تھما دیا کہ وہ اب کھل کر یہ کہنا شروع کر دیں کہ فرزندِ علی مرتضیٰؓ حضرت حسنؓ نے خلافت سے دستبردار ہو کر ایک ولدالزنا کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

افق سائیت پر ابھرنے والا ایک اور شخص عبدالقیوم علوی۔ بی اے۔ تاریخ نواصب صـ۱۵ پر لکھتا ہے : مندرجہ بالا کلام کی روشنی میں یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ بغضِ علی۔ خلافت علی کا انکار اور علی علیہ السلام پر سب وشتم کرنا شعائرِ نواصب میں سے ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کا مبتدی اور بانی کون ہے ؟ اس کا تفصیلی جواب تو حصہ دوم میں آئے گا۔

سردست اتنا بتا ہوں کہ ان سب افعال شنیعہ اور عقائد قبیحہ کا بانی معاویہ بن ابی سفیان ہے اور صـ۱۶ پر ہے: معلوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک نواصب کتے اور خنزیر کے برابر ہیں اور صـ۷۷ پر ہے: معاویہ تو شراب فروشی کا کاروبار کرتا تھا انصاف فرمائیں کہ کیا اس قسم کی جگر خراش اور دل کو پارہ پارہ کر دینے والی خرافات و بکواسات وہ شخص تحریر کر سکتا ہے جس کے دل میں نبوت و رسالت کی حرمت و محبت موجود ہو؟ اور کیا اسی زبان اور اسی اندازِ تحریر میں ان کا جواب لکھنا کسی خدا ترس مومن و مسلم کے بس کا روگ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ اس کے لیے بے غیرتی و بے حیائی اور باطن کی سیاہی کا جتنا مصالحہ درکار ہے۔ وہ اہل سنت و جماعت کے مذہبی سٹور میں نہیں۔ یہ تو بڑی فراوانی کے ساتھ نجفی اور ڈھکو اور ان کے بزرگ خمینی کے شیعی مرکزی گودام میں دستیاب ہے: آہ! رحمتِ دو عالم خاتم الانبیاء والمرسلین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں کتنی تاکیدات کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا: میرے صحابہ کو بُرا بھلا مت کہو۔ جو شخص ان کو بُرا بھلا کہے گا۔ اس پر خدا۔ فرشتوں اور تمام لوگوں کی پھٹکار ہے۔ میرے صحابہ کرام پر نکتہ چینی و تنقید کرتے ہوئے اللہ سے ڈرنا اللہ سے ڈرنا جس نے ان کے ساتھ محبت کی۔ اس نے میرے ساتھ محبت کی بنا پر کی اور جس نے ان سے بغض رکھا۔ اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے رکھا اور جس نے انکو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اس نے اللہ کو ناراض کیا اور قریب ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گرفتار کرے۔

حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ کتاب غنیۃ الطالبین میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کا مشغلہ میرے صحابہ کرام کی توہین و تنقیص ہوگا۔ تم انکے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھنا۔ ان کے ساتھ ہرگز نہ کھانا پینا اور ان کے ساتھ مل کر نماز نہ پڑھنا اور ان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھنا۔ مگر اب رفتہ رفتہ روافض کفار تو کیا اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرنے والے بعض دوسرے لوگ بھی آپ کی ان تمام تعلیمات و ارشادات کو

یکسر فراموش کر کے صراط مستقیم کی پٹڑی سے اترتے جا رہے ہیں اور اس مہلک مرض کے تباہ کن نتائج سے بالکل غافل ہیں : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر حضرت ابوسفیان آپ کی ساس حضرت ہند اور آپ کے برادر نسبتی ۔ کاتب وحی حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم) کو تو صحابہ کرام کیا شرفاء کی فہرست سے ہی خارج تصور کرتے ہیں ۔ ان تمام ارشادات نبوت کے پیش کرنے سے مقصود صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت کے ہر فرد کو انبیاء علیہم السلام کی طرح صغائر و کبائر سے بالکل معصوم قرار دینا بالکل نہیں ۔ عصمت تو خاصۂ نبوت ہے بلکہ اس حقیقت کو اجاگر کرنا مطلوب ہے کہ ان حضرات کی طاعت شعارانہ اور مومنانہ زندگی کی سطح دنیا کے دوسرے تمام انسانوں سے (خواہ وہ منصب کے اعتبار سے کتنے ہی اونچے ہوں) بدرجہا بلند و بالا ہے اور وہ اپنے کمالات و فضائل کی حیثیت سے پوری انسانیت سے ممتاز ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت اور حسنِ تعلیم و تربیت کی برکت سے ان حضرات کے دل و دماغ اس قدر پاکیزہ اور فکری و جسمانی قویٰ اتنے روشن ہو گئے تھے کہ کسی باطل نظریہ کا وہاں ٹھہراؤ محال تھا ۔ کوئی برائی و بداخلاقی انھیں اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال نہ کر سکتی تھی ۔ ابلیس بھی اس راستہ سے گذرنے کا حوصلہ نہ کرتا تھا جس راستہ سے یارانِ نبیؐ کا جانباز و سرفروش کارواں گذر رہا ہو ۔ ان حضرات کی طاعات و حسنات اور محاسن و کمالات کے تلاطم خیز سمندر کے مقابلہ میں (پورا بچاؤ کرتے ہوئے) جزوی طور پر ہو جانے والی غلطیوں کی وہی حیثیت ہے جو سمندر کے پانی میں تیرنے والے خس و خاشاک کی (یا آفتاب کی روشنی میں اڑتے دکھائی دینے والے بالکل باریک قسم کے ذرات کی) عصر حاضر کے ننگِ اسلام مسلمانوں کی طرح ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی احکام سے غفلت ۔ گناہ اور معصیت صحابہ کرام کی پالیسی ہرگز نہ تھی ان کا اثاثۂ حیات تو جہاد کے ذریعہ عملاً اعلائے کلمۃ اللہ اور حسنات و خیرات کو سمیٹ کر خدائے پاک کو خوش کرنا ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۂ ابرو پہ سب کچھ نثار کر دینا تھا : اگر پورا بچاؤ کرنیکے

باوجود کوئی غلطی ہوجاتی تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرکے معاف کرائے بغیر اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر مغفرت کی سفارش کرائے بغیر چین نہ آتا تھا۔ لہٰذا ان میں سے کسی پر بھی فاسق کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا: ان سے سرزد ہونے والی غلطیوں کی معافی کا اللہ پاک نے خود قرآن کریم میں اعلان فرمایا: وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ پھر اپنے محبوب کو حکم فرمایا: فَاعْفُ عَنْهُمْ (پس آپ ان سے درگذر فرمائیں) وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں)۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (اور ان سے معاملات میں مشورہ فرمایا کریں) جب ان پر خدائے پاک نے اس قدر لطف و کرم فرمایا تو انبیاء علیہم السلام کے بعد دوسرا کون ان حضرات کا ہمسر ہوسکتا ہے سوچنے کی بات ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں کیا آفتاب کی کرنوں سے اتنی ہی روشن ہوتی ہیں؟ جس قدر وہ فضا کہ جس کے اور آفتاب کے درمیان کوئی حائل نہیں: اگر ایسا نہیں تو صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت کے سعید فطرت اشخاص جن پر کسی بھی حائل بغیر آفتابِ رسالت کے انوار و فیوض کی کرنیں پڑیں اور اس سے ان کے ظاہر و باطن چمک اٹھے۔ یہی نہیں بلکہ زندگی کا ایک معتد بہ حصّہ فیضیاب ہوتے رہے اور آفتاب بھی وہ جو طلوع ہوکر ایسا غروب نہیں ہوا۔ جس کے بعد اتنی تاریکی چھا گئی ہو کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا ہو۔ بلکہ ان میں سے عشرہ مبشرہ اور ان میں سے پھر چار حضرات تو قرب سے ایسے بہرہ ور ہوئے کہ اس خاکدانِ عالم سے نبی اکرمؐ کے وصال کے بعد خلافت و نیابت کا اس طرح حق ادا کیا کہ خلفائے راشدین کا امتیازی لقب پایا اور انبیاء کے بعد پوری انسانیت سے افضل ٹھہرے۔ ان کی بلندیٔ مقام کو پانا دوسروں کے لیے کیسے ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں میں سے کسی کی بھی جزوی غلطیوں کو تقریر و تحریر کے ذریعہ اس طرح اچھالنا جیسے ان کے دامنِ حیات میں بس یہی کچھ ہو اور تاریخ کی تشنۂ تحقیق روایات کی آڑ میں انھیں اس انداز سے ہوا دینا جس سے ان

پر اپنی فوقیت و برتری کا خطرناک تصور جھلکتا ہو۔ ایک سچے مسلمان کی شان سے بہت بعید ہے شیعہ فرقہ کی طرف سے اس سے بھی زیادہ ظلم اور کمینہ پن کا مظاہرہ اب یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ ان کے زمانۂ کفر کے اعمال بھی زیر بحث لاکر ان کی عزت و آبرو کے نازک آئینہ کو چور چور کرنے کا بازار گرم ہے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الاسلام یھدم ما کان قبلہ (اسلام ان تمام قباحتوں اور برائیوں کی عمارت کو ڈھا دیتا ہے جو اس سے پہلے زمانہ میں ہوئیں) عصرِ حاضر کا ایک عظیم المیہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمتِ کردار اور رفعِ مرتبت کو قرآنی تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب العمل ہدایات کی بجائے تاریخ کی صحیح و سقیم روایات کے پیمانے سے ناپا جانے لگا ہے۔ حالانکہ تاریخ کی صحیح روایت سے بھی اگر کوئی اسلامی عقیدہ یا شرعی حکم متاثر ہوتا ہو تو وہ ناقابل اعتبار تصور ہوگی چونکہ صحابہ کرام کے احترام و تقدس کا مسئلہ عقائد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے تاریخی روایات کے سہارے اس جماعت کی کردار کشی کفر سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ قرون مشہور لہا بالخیر سے صدیوں بعد کے لوگ جن کی مذہبی زندگی ہر شعبہ سے متعلق خزاں رسیدہ ہے جسے دیکھ کر علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

یوں تو سیّد بھی مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

شکل میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

نامعلوم گلشن نبوت کی بہاروں پر کس منہ سے نکتہ چینی کرنیکا حوصلہ کرتے ہیں

ہونے لگا خزاں کا بہاروں پہ تبصرہ
کرنے لگی زمین ستاروں پہ تبصرہ

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کوئی غیرت مند شخص اپنے مخلص دوستوں اور مشکل گھڑیوں میں کام آنے والے ساتھیوں کی بدگوئی و عیب جوئی گوارا نہیں کر سکتا۔ چونکہ یہ اس کے لیے دلی دُکھ اور ذہنی کوفت کا باعث ہوتی ہے بعض دوستوں میں برائی بھی ہو تب بھی اس کی مناسب توجیہ کر کے ان کا دامن پاک وصاف دکھانے کی کوشش کرتا ہے؛ تو حضرت رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص و وفا شعار اصحاب صحابہ کرام جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رضی اللہ عنہم کا اعزاز بخشا۔ خَیْرُ الْاُمَمْ کا لقب عطا کیا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ۔ جنت اور ابدی نعمتوں کی بشارت دی وَاَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ ان کے مخلصانہ ایمان کی شہادت دی۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ انھیں معیارِ حق و صداقت قرار دیا فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ انھیں اپنا سلام پہنچایا۔ ان کی رائے کی تصویب و تائید میں قرآنی آیات اتاریں۔ تنزیلِ کلام کے وقت جبریلِ امین کو ان کا تشکل بخشا۔ اگر کوئی قصور ہو گیا تو خود معاف کر کے اپنے محبوب کو بھی ان سے درگذر کرنے کا حکم فرمایا: پانی کی قلت محسوس کی تو بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسا دیا۔ ہزاروں میل پیغام رسانی کے لیے ہواؤں کو پابند کر دیا۔ راہِ جہاد میں بے سر و سامان نکل کھڑے ہوئے تو ان کی نصرت کے لیے ملائکہ کا لشکر بھیج دیا۔ اگر خدمت نبوت کی وجہ سے نماز قضا ہو گئی تو سورج کو پلٹنے کا حکم دے دیا۔ ازدواجی مسئلہ بگڑا تو دلداری کے لیے آسمانوں پر نکاح کر کے ساری کلفتیں دور کر ڈالیں۔ پھٹے پرانے کپڑے زیبِ تن کیے تو پیار میں قاصد کے ذریعہ دریافت کیا کہ اس حالت پر تم ہم سے ناراض تو نہیں؟۔ جہاد کے لیے نفیرِ عام سنکر جلدی میں غسل یاد نہ رہا اور جان پر کھیل گئے تو فرشتوں کو ان کے غسل کی ذمہ داری سونپ دی۔ اسلام قبول کرتے ہی شہید ہو گئے تو اسی عمل پر جنت عطا کر دی! ایمان

تو زمین پر لائے اور آسمانوں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی ۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی باب جنت پر اور ان کے چلنے کی آہٹ پہلے ہی کانوں میں گونجی ۔ ابھی آئے نہیں مگر ان کا حلیہ اور آمد کی بشارت ہزاروں سال قبل آسمانی کتب اور صحائف میں ۔ وہ جن کے چہرہ پر نظر کر کے اور لباس کے پیوند گن کر اہل کتاب نے بیت المقدس کی چابیاں قدموں میں ڈال دیں ۔ وہ جنہوں نے خالق کائنات کا قرآن عظمت میں ڈوب کر پڑھا تو بادشاہ وقت اور اس کے حاشیہ نشینوں کی آنکھیں برس پڑیں ۔ شہادت کے بعد کفار نے سر اتارنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو محافظ بنا دیا ۔ جن کے دلوں میں عشقِ رسالت اور عظمتِ اسلام کا چراغ روشن ہوا تو قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو جھکا کے رکھ دیا ۔ جن کے دامنِ عفت کو منافقین نے داغدار کرنا چاہا تو بقول حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ خدا برأت و صفائی کے لیے عدالت کے کٹہرے میں آگیا ۔ وہ جن کو ضروری مصلحت سے پیغمبر اسلام نے اپنی مجلس سے اٹھانا چاہا تو خدا کا محبت بھرا عتاب نازل ہوا ۔ کفار نے دانہ پانی بند کیا تو حضرت مریم علیہا السلام کی طرح بے موسم ثمرات عطا فرمائے ۔ جن سے نام لے کر قرآن کریم سننے کا حضور کو اللہ نے امر فرمایا ۔ جن کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شرکت کے لیے اترے ۔ جنہوں نے سب کچھ قربان کر کے اور ہر قسم کی صعوبتیں جھیل کر ساری دنیا میں اسلام کو پھیلایا ان کی عیب جوئی و بدگوئی کی رپورٹ جب روضۂ اطہر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتی ہوگی تو کتنی اذیت محسوس فرماتے ہونگے ستم بالائے ستم یہ ہے کہ سید اسعد گیلانی صاحب جیسے جماعت اسلامی کے سرکردہ حضرات خمینی جیسے شخص کو پاکستان اور بیرونی دنیا میں مجدد اور امامِ اسلامی انقلاب کی حیثیت سے متعارف کرانے کی مذموم کوشش میں مصروف ہیں جو اثنا عشری شیعہ ہونے کی بنیاد پر قرآن کریم کی تحریف کا قائل ہے خلفائے راشدین ثلثہ جیسے صحابہ کرام کو جو بلاشبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد پوری انسانیت سے اشرف و اعلیٰ ہیں ایک ادنیٰ درجہ کا مومن ماننے پر بھی تیار نہیں بلکہ اس کے برعکس ان کو (معاذ اللہ)

کافر و منافق ۔ ظالم و غاصب ۔ زندیق و ملحد قرار دے کر اس بنیاد ہی کو ڈھا رہا ہے جس پر قرآن و سنت کی شکل میں پورے مذہبِ اسلام کی عمارت کھڑی ہے اور وہ بنیاد و اساس صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کی عدالت و امانت ۔ ثقاہت و دیانت ایمان و اخلاص کا غیر متزلزل مستحکم و راسخ اعتقاد ہے ۔ اگر ان شخصیات سے متعلق خمینی اور اس کے پیش رو مجتہدین کے پیش کردہ تصورات کو درست مان لیا جائے تو صحابہ کرامؓ کی وساطت سے امت مسلمہ تک تسلسل کے ساتھ پہنچے ہوئے اسلام پر اعتماد کی کوئی صورت نہ رہے گی : ہماری حیرت کی انتہا ہو گئی جب ہم نے ۱۲ ر فروری ۱۹۸۶ء کے نوائے وقت راولپنڈی کے حوالہ سے گیلانی صاحب کا وہ بیان پڑھا جو انہوں نے سفارت خانۂ ایران کی ایک تقریب کے موقع پر دیا انہوں کہا : اگر شافعی ۔ مالکی ۔ حنبلی اور حنفی مسلمان ہیں تو شیعہ ان سے بڑھ کر مسلمان ہیں ۔ کیونکہ اہل تشیع امام جعفر صادق کی تعلیمات کے پیروکار ہیں جو امام ابو حنیفہؒ کے استاذ ہیں ،، اس بیان میں گیلانی صاحب نے شیعیت کے ساتھ اپنے رشتۂ اخوت کو استوار کرتے ہوئے عوام الناس کو یہ غلط اور خطرناک تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شیعہ سنی اختلافات کی نوعیت وہی ہے جو آئمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ ۔ امام مالک ۔ امام شافعی امام احمد رحمۃ اللہ علیہم) کے باہمی فقہی اختلافات کی : حالانکہ ان حضرات کا اختلاف صرف غیر منصوص اجتہادی فروعی امور میں ہے ۔ اصول و عقائد میں تمام حضرات باہم متحد و متفق ہیں ۔ جبکہ اہل سنت و جماعت کا شیعہ فرقہ سے اختلاف اصولی و فروعی ہر دو طرح کا ہے ۔ اہل سنت کے مذکورہ بالا چاروں فقہی مکاتبِ فکر بنیادی طور پر قرآن کریم کو خدائے پاک کی آخری اور ہر قسم کی تحریف و تبدیل اور کمی بیشی سے محفوظ کامل و اکمل کتاب مانتے ہیں ۔ ختم نبوت پر غیر مشروط و مستحکم عقیدہ رکھتے ہیں ۔ صحابہ کرامؓ کی عزت و آبرو کے محافظ ہیں اور انہیں انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری انسانیت سے اشرف و اعلیٰ مانتے ہیں ۔ مگر اثنا عشری شیعہ موجودہ قرآن کریم کو محرّف و مبدّل اعتقاد کرتے ہوئے اس کی حقانیت

کے منکر ہیں ۔ گو اس فرقہ کے چار مجتہدین ایسے بھی گذرے ہیں جو تحریف قرآن کریم نہیں مانتے مگر اس کی بنیاد تقیہ بازی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ان شیعی مجتہدین اور مؤلفین کتب کو کافر و بے ایمان قرار نہیں دیتے جو قرآن کریم کی تحریف کے قائل ہیں : اور اس فرقہ نے ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے مسئلہ امامت گھڑا اور بارہ اماموں کے لیے وہ تمام اوصاف مانے جو انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہیں اور لاہور ساندہ کلاں سے شائع ہونے والی کتاب سولہ مسئلے کے مصنف نے تو علانیہ طور پر ان بارہ کو رسول اور نبی لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ انکارِ ختم نبوت ہے جو کفر ہے اگر مرزائی صرف ایک مرزا غلام احمد کو نبی ماننے کی بنا پر کافر ہیں تو اثنا عشری شیعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ کو نبی و رسول ماننے کی وجہ سے کیوں کافر نہیں اب ہم نہیں سمجھتے کہ گیلانی صاحب شیعہ مذہب کی ان تمام کفریات سے بے خبر ہیں ؟ یا کہ دیدہ دانستہ شیعوں کو شافعی ۔ مالکی ۔ حنبلی حنفی اہل سنت مسلمانوں سے بھی زیادہ مسلمان کہہ کر ابن سبا ملعون کی روح کو خوش کر رہے ہیں ۔ اگر خمینی سمیت شیعہ فرقہ کا اور دل سے زیادہ مسلمان ہونا حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی پیروی پر ہی مبنی ہے تو گیلانی صاحب از راہِ ایمان بتائیں کہ قرآن کریم کو محرف ماننا ۔ اور موقع ملنے پر اس کو نذر آتش کرنے سے بھی گریز نہ کرنا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چند افراد کو مستثنیٰ کر کے باقی تمام صحابہ کرامؓ کے مرتد ہو جانے کا اعتقاد رکھنا ۔ اور حضرت صدیق اکبر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو کافر و منافق ۔ ظالم و غاصب اور زندیق و ملحد قرار دینا ۔ حضرت عثمان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما جیسے کاتبینِ وحی اور برگزیدہ صحابیوں کو بدقماش کہنا ۔ اور ان کے حسب و نسب پر طعن کر کے کردار کشی کرنا ۔ حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو زنا کار لکھنا اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ پر جھوٹی احادیث گھڑنے کی تہمت لگانا ۔ حضرت ابو ہریرہ و حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو کذاب تحریر کرنا ۔ صحابہ کرام پر تبرا کرنے کو اپنے مذہب کا اہم جزء قرار دینا ۔ حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما

ازواجِ نبوت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کھلا کر شہید کر دینے کا الزام لگانا حضرت عائشہ رضؓ جن کی برأت قرآن پاک میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی پر تہمت لگاتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا کہ جب بارہویں امام غار سے باہر آئیں گے تو حضرت عائشہ رضؓ کو (معاذ اللہ) قبر سے نکال کر ان پر حد جاری کریں گے۔ اور حضرات شیخین کو روضۂ اطہر سے نکال کر سولی دیں گے۔ اور خمینی کا یہ عزم ظاہر کرنا کہ جب میرا حرمین شریفین میں فاتحانہ داخلہ ہوگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدفون دونوں بتوں کو نکال باہر کروں گا۔ یہ ساری کفریات وخرافات کیا حضرت جعفر صادقؒ کی تعلیمات ہیں جن کی پیروی کی بنیاد پر شیعہ فرقہ اوروں سے زیادہ مسلمان ہے؟ اور کیا آپ اور آپ کی جماعت پاکستان میں انہی تعلیمات پر مبنی اسلامی نظام نافذ کرانا چاہتی ہے؟ اور یہ کہ خمینی اور ان سے سابق شیعی مجتہدین کے بیان کردہ کافرانہ عقائد سے آپ کو اختلاف ہے تو ان کی تردید میں کونسی کتب و رسائل اور اشتہارات آپ نے شائع کئے اگر جہاد افغانستان کے بارہ میں روس کے خلاف اشتہارات شائع کرنا اور جذبۂ جہاد بیدار کرنے کے لیے مجاہدین کے کارناموں کی فلم دکھانا عین اسلام ہے تو شیعہ کفریات کے خلاف جہاد کرنا مذہبی و اخلاقی فریضہ نہیں؟ اور اگر خدانخواستہ اس قسم کے بیانات سے آپ کا مقصود سلطنتِ خداداد میں ایران جیسے شیعی انقلاب کی راہ ہموار کرنا ہے تو یاد رہے کہ آپ کا یہ منحوس خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ اہل سنت والجماعت علمائے حق اور غیور مسلمان انشاء اللہ ہر اس تحریک کو امکانی جدوجہد سے ناکام بنا دیں گے جو صحابہ کرام کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہوئے اسلام سے متصادم ہوگی" اتحاد و یک جہتی امام خمینی کی نظر میں" صـ۱۵ پر خمینی نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنے مقصدِ بعثت (نفاذِ عدل و انصاف) میں (معاذ اللہ) ناکام قرار دیا ہے اور اپنے بارہویں مزعومہ امام کے متعلق لکھا کہ وہ اس مقصد میں کامیاب ہونگے فرمائیے کیا ایسے کافر و مرتد اور دشمنِ رسالت کو مجدد اور امامِ اسلامی انقلاب قرار

دینا (جیسا کہ الحکومۃ الاسلامیہ کے اردو ترجمہ اور اپنے سفرنامۂ ایران میں آپ نے تحریر کیا ہے) اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ساتھ کھلا مذاق نہیں؟ اور اب تو خمینی اور اثنا عشری فرقہ کے کفر پر علمائے ہند و پاک کا متفقہ فیصلہ بھی چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے:

کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جو طوفانِ بدتمیزی بپا کیا جا رہا ہے اس سے ہی دل میں داعیہ بیدار ہوا کہ ان کے مناقب و فضائل کے سلسلہ میں ایک کتاب تحریر کروں جو منصف و حق جو طبائع کے لیے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے: اور مسلمان صحابہ کرام سے بدگمان ہو کر آخرت خراب نہ کرے باری تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے توفیق بخشی اور رسالہ مرتب ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر خلافت و ملوکیت میں لگائے گئے تمام الزامات و اعتراضات کے محققانہ جوابات کے لیے حضرت العلام فقیہ نبیل مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ جسٹس شرعی وفاقی عدالت پاکستان کی مصنفہ کتاب "حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" کا مطالعہ ضروری ہے: مجھے یہ سطور لکھتے وقت خوب احساس ہے کہ بعض لوگ انھیں فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا کر بے وقعت ثابت کرنے کی سعی کریں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کے احترام و تقدس اور ان کی عزت و آبرو کو تار تار کرنے والی تحریرات کے مقابلہ میں دفاعی کاوش و کوشش عصرِ حاضر کا ایک اہم ترین فریضہ ہے اور میری سعادت ہے کہ اس جماعتِ نبوت کی وکالت میں میں بھی حصہ دار ہوں۔ ؎

سرِ حشر بھی اُنھیں کو میرا دل صدائیں دے گا
مجھے گر وہ دیکھ لیں گے میری آبرو رہے گی

برادرانِ اہل سنت سے قوی اُمید ہے کہ اس رسالہ کا مطالعہ فرما کر میری

لغزشوں پر مطلع کریں گے اور اس تحریر کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں پھیلا کر اپنا مذہبی و اخلاقی فرض ادا کریں گے :۔ آخر میں باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے میرے پروردگار اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرما اور اس کے نفع کو عام و تام فرما کر میری اور میرے والدین تمام متعلقین اکابر و احباب کی مغفرت کا ذریعہ بنا دے ۔ آمین ثم آمین یا ربّ العٰلمین ۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ۔

۳ر جنوری ۱۹۸۸ء ۔ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ ۔

حضرت معاویہؓ کا نام ونسب اور خاندانی تعارف

اسم گرامی | معاویہ رضی اللہ عنہ۔

کنیت | ابو عبد الرحمٰن ہے۔

آبائی شجرۂ نسب | (سیدنا) ابوسفیانؓ صخر بن حرب بن اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف: اس تفصیل کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت عبد مناف پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حلیہ شریف | علامہ شمس الدین محمدؒ بن احمد الذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر اعلام النبلاء صفحہ ۱۲۰ جلد سوم میں تحریر کرتے ہیں:

ذکر ابن ابی الدنیا وغیرہ ان معاویۃ کان طویلاً ابیض جمیلاً اذا ضحک انقلبت شفتہ العلیا وکان یخضب۔

ترجمہ: ابن ابی الدنیا وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دراز قد۔ گورے حسین وجمیل انسان تھے جب خندہ فرماتے آپ کا بالائی ہونٹ پلٹ جاتا تھا اور آپ خضاب کا استعمال کرتے تھے۔

روی سعید بن عبد العزیز عن ابی عبد رب:
رأیتُ معاویۃ یخضب بالصُّفرۃ کان لحیتہ الذہب

ترجمہ: سعید بن عبد العزیز اُبو عبد رب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میں زرد رنگ کا خضاب کرتے دیکھا ہے (خضاب کی وجہ سے ایسا لگتا تھا) کہ آپ کی ریش مبارک سونا ہے۔

(ایضاً) علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء صفحہ ۱۲۱ پر تحریر کرتے ہیں۔

قال اسلم مولیٰ عمر: قدم علینا وھو ابض الناس واجملھم۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت اسلمؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ (ایک دفعہ) ہمارے ہاں آئے تو سب لوگوں سے زیادہ بھاری جسم نرم جلد اور خوبصورت تھے۔

والدہ کا نام | حضرت ہندؓ بنت عتبہ بن ربیعہ: حضرت ابوسفیان اور حضرت ہند رضی اللہ عنہما فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر کے شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے۔

والدین کے حالات

ابن عبدالبر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوسفیان صخر رضی اللہ عنہ کے احوال بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب الاستیعاب صفحہ ۸۵ جلد چہارم پر لکھتے ہیں۔

وکان من اشراف قریش فی الجاھلیۃ وکان تاجرًا یجھز التجار بمالہ واموال قریش الی الشام وکان یخرج احیانا بنفسہ فکانت الیہ رأیۃ الرؤساء المعروفۃ بالعقاب وکان لا یحبسھا الا رئیس فاذا حمیت الحرب اجتمعت قریش فوضعت تلک الرایۃ بید الرئیس ویقال

آپ ایام جاہلیت میں قوم قریش کے معزز افراد میں شمار ہوتے تھے اور بڑے تاجر تھے۔ کاروباری لوگ آپ کے اور قریش کے اموال شام لے جایا کرتے تھے؛ کبھی خود بھی سفر تجارت پر جاتے تھے: رؤسائے قریش کا عقاب نامی جھنڈا جسے سرداری اٹھاتا تھا آپ ہی کے پاس ہوتا تھا۔ جب جنگ کا بازار گرم ہوتا۔ قریش اکٹھے ہو کر وہ علم رئیس کے ہاتھ میں تھما دیتے۔ جاہلیت کے زمانہ

كان فضل قريش رايًا عتبة و ابوجهلٍ وابوسفيان فى الجاهلية"

میں قریش میں سب سے بہتر ذی رائے اور مدبّرین اشخاص مانے جاتے تھے: عتبہ اور ابوجہل اور ابوسفیانؓ۔

علامہ شمس الدّین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر اعلام النبلاء صفحہ ۱۰۶ جلد دوم پر تحریر کرتے ہیں:

رأس قريشٍ وقائدهم يوم احد ويوم الخندق وله هنات و امور صعبة لكن تداركه الله بالاسلام يوم الفتح فاسلم شبه مكره خائف ثم بعد ايّامٍ صَلُح اسلامه"

ترجمہ: حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ قریش کے سردار ہیں اور غزوہ احد اور خندق کے موقع پر ان کے قائد تھے۔ آپ میں گو بعض کمزوریاں اور ناگوار چیزیں بھی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے روز اسلام کے فیض سے سب دھو ڈالیں: آپ اس وقت ایک مجبور خائف شخص کی طرح اسلام لائے تھے۔ مگر کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کا اسلام مستحکم وصالح ہوگیا۔

علامہ ابن عبدالبر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاستیعاب صفحہ ۸۵ جلد چہارم پر نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ واقعۂ فیل سے دس سال قبل پیدا ہوئے: اور علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء صفحہ ۱۰۷ جلد دوم پر تحریر کرتے ہیں:

وكان اسنّ من رسول الله صلى الله عليه وسلم بعشر سنين وعاش بعده عشرين سنةً۔

ترجمہ: آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دس سال بڑے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بیس سال زندہ رہے۔

اسلامی خدمات

ابن زُبر نے سعید بن عبید ثقفی سے روایت کی ہے کہ غزوۂ طائف میں حضرت

ابُوسفیان رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر کنکر یٹ پھینکی جس سے آنکھ ضائع ہوگئی ؛ حضرت ابوسفیانؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ سنایا ۔ حضرت رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چاہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور آنکھ کی روشنی بحال ہو جائے اور اگر چاہو تو صبر کرو ؛ اللہ تعالیٰ اس کے عوض جنّت عطا فرمائیں گے حضرت ابوسفیانؓ نے عرض کی یا رسولَ اللہ مجھے تو جنّت درکار ہے (الاصحابہ جلد دوم صفحہ ۱۷۹)

مُشکل میں مُشکل کُشا سے فریاد

ابنِ سعد نے حضرت سعید بن مُسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ میرے والد حضرت مُسیّب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جنگ یرموک میں (شدید لڑائی ہونے کی بناء پر) لوگوں کی آوازیں گم پائی تھیں (سننے میں نہ آرہی تھیں) مگر ایک شخص کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی جو فریاد کر رہا تھا اے اللہ کی امداد جلدی پہنچ : جب اسکی طرف میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے اور اس وقت اسلامی پرچم حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا (الاصحابہ جلد دوم صفحہ ۱۷۹).

دوسری آنکھ بھی قربان حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دوسری آنکھ یرموک کی لڑائی میں شہید ہوئی ؛ گویا والدِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے راہِ خدا میں اپنی دونوں آنکھیں بطور عطیہ پیش کر دیں ؛ ایک حدیث شریف میں علامہ نوویؒ نے ریاض الصالحین میں بحوالہ بخاری نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا یہ فرمان بیان فرمایا کہ جس شخص کی دو محبوب (آنکھیں) چیزیں میں لے لوں اور اس پر بندہ صبر کرے تو انکے عوض اسے جنت عطا کروں گا۔

عاملِ نجران

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران

کے ساتھ صلح کے بعد ان سے وصولی صدقات کے لیے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں عامل و حاکم بنایا۔ (نسب قریش صفحہ ۱۲۲)

نورِ وحی

فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار قدوسیوں کی عظیم جماعت لیکر داخلِ مکۃ المکرمہ ہوئے۔ اس رات تمام اہل ایمان تکبیر و تہلیل اور بیت اللہ شریف کے طواف کی روحانی لذت اٹھاتے رہے اس رات حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر اہلیہ سے پوچھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے کیا تم اس کو قدرتِ الٰہی کا کرشمہ خیال کرتی ہو؟ بیوی نے تصدیق کرتے ہوئے کہا واقعی ایسا ہی ہے: جب صبح کو حضرت ابوسفیان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے ابھی کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوسفیانؓ تمہیں یاد ہوگا تم نے رات اپنی اہلیہ سے ایک بات دریافت کی تھی اور پھر اس نے اس کی تصدیق بھی کی تھی؟ حضرت ابوسفیانؓ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور برحق رسول ہیں۔ جب میں نے یہ بات کہی تھی۔ اسے تیسرا کوئی آدمی نہیں سن رہا تھا: ان تمام روایات سے حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت ہند رضی اللہ عنہما کا اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کرنا ثابت ہوتا ہے۔

قیصر کے دربار میں ابوسفیان نبوت کا تعارف کراتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحِ حدیبیہ کے بعد اپنے خلیق و لئیق سفراء کے ذریعہ پوری دنیا کے بادشاہوں کے نام خطوط روانہ فرمائے۔ جن میں ان کو قبولِ اسلام کے عقبیٰ سنوارنے کی دعوت دی گئی تھی: قیصرِ روم ہرقل کے نام والا نامہ ارسال کرنے کے لیے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا۔ یہ وہی سعید روح ہیں جن کی شکل و صورت

اختیار کر کے حضرت جبریل علیہ السّلام متعدد بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتے رہے:
یہ والا نامہ لے کر حمص پہنچے۔ چونکہ قیصرِ روم اُن دنوں یہاں ہی مقیم تھا۔ حضرت دحیہؓ
نے حارثِ غسّانی جو قیصر کا مقرّب تھا کے والا نامہ سپرد کیا۔ اُس نے والا نامہ اور
پیغام رساں دونوں کو بیتُ المقدّس دربارِ قیصر میں پیش کر دیا۔ قیصر نے والا نامہ پڑھا۔
تو دل کی گہرائیوں میں نبیؐ رحمت کے تعارفی اوصاف معلوم کرنے کا جذبہ بیدار ہوا اُس
نے حکم دیا کہ یہاں کوئی عرب سے زیرک و دانا شخص کسی غرض سے آیا ہوا ہو تو اسے
میرے دربار میں پیش کرو صلح حدیبیہ کی وجہ سے قریش کے لیے شام میں تجارت کا
کاروبار چونکہ خطرہ سے خالی تھا۔ تو بیتُ المقدّس کے قریب: غزّہ: میں مقیم عرب
تجار کا ایک کارواں جو تجارت کے سلسلہ میں آیا ہوا تھا۔ اس کے امیر سرورِ کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کے سُسر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے: جو اسلام کی حلاوت سے
ناآشنا ہونے کی بناء پر ابھی کفر و شرک کے مہلک زہر کو تریاق تصوّر کئے ہوئے تھے:
قیصرِ رُوم کا قاصد آیا اور تمام قافلہ کو بلا کر دربارِ شاہی میں لے گیا: بڑے کرّ و فر کے ساتھ
شاہی دربار منعقد تھا اور ارکانِ دولت اور بڑے بڑے پادری اور راہب صف بندی
کے ساتھ مؤدبانہ موجود تھے: قیصرِ رُوم نے دریافت کیا کہ اس مدّعیِ نبوّت کا تم میں قریبی
رشتہ دار کون ہے؟ حضرت ابوسفیانؓ بولے: میں ہوں: شاہِ رُوم نے تخت کے قریب
ہونے کا حکم دیا اور باقی شرکائے قافلہ سے کہا کہ اس کے پیچھے بیٹھ جاؤ: اگر تمہارے امیر
غلط بیانی سے کام لیں تو مجھے مطلع کر دینا۔

سوالات مع جوابات

(بحوالہ بخاری شریف جلد اوّل)

قیصر روم: مدّعیِ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیانؓ : نہایت شریف ہے :
قیصرِ روم : اِس سے قبل اس خاندان میں کبھی کسی نے دعویٰ نبوت کیا ؟
ابوسفیانؓ : کبھی نہیں کیا :
قیصرِ روم : اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ؟
ابوسفیانؓ : نہیں :
قیصرِ روم : اس کے پیروکار وجیہہ لوگ ہیں یا کمزور ؟
ابوسفیانؓ : کمزور لوگ :
قیصرِ روم : اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہوتے جا رہے ہیں ؟
ابوسفیانؓ : بڑھتے ہی جا رہے ہیں :
قیصرِ روم : کوئی اس کے دین میں داخل ہو کر پھر اسے ترک کر کے مرتد تو نہیں ہوا ؟
ابوسفیانؓ : کسی نے ایسا نہیں کیا :
قیصرِ روم : دعویٰ نبوت سے پہلے اس کو تم جھوٹا تو نہیں سمجھتے تھے ؟
ابوسفیانؓ : بالکل نہیں :
قیصرِ روم : کبھی اپنے کئے ہوئے عہد سے وہ منحرف بھی ہوتا ہے ؟
ابوسفیانؓ : ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا ۔ البتہ آج کل اس کے اور ہمارے درمیان ایک جدید معاہدۂ صلح (حدیبیہ) ہوا ہے ۔ اب دیکھتے ہیں اس پر قائم رہتا ہے یا نہ :
قیصرِ روم : تم کو کبھی اس کے ساتھ جنگ کی نوبت بھی آئی ہے ؟
ابوسفیانؓ : جی ہاں :
قیصرِ روم : نتیجہ کیا رہا ؟
ابوسفیانؓ : کبھی وہ غالب آیا کبھی ہم :
قیصرِ روم : اس کی تعلیمات کیا ہیں ؟

ابوسفیانؓ : وہ صرف ایک خدائے پاک کی پرستش کا حکم کرتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ : باپ دادا کی مشرکانہ ریت چھوڑ دو۔ نماز پڑھو۔ سچ بولو۔ پاک دامنی اختیار کرو۔ صلہ رحمی کرو۔

قیصر روم اِن سوالات کی علّت ذکر کرتے ہیں

ترجمان کے واسطہ سے کہا میں نے اس شخص کی خاندانی شرافت کے بارہ میں اس لیے دریافت کیا تھا کہ ہمیشہ پیغمبر شریف خاندان سے ہی منتخب ہوا کرتے ہیں اور میں نے اُس کے خاندان میں اس سے پہلے کسی کے دعویٰ نبوت کے بارہ میں پوچھا اور تم نے اسکی نفی کر دی ؛ اگر ایسا ہوتا تو گمان کرتا کہ یہ اپنے خاندان کے دعویٰ کی تقلید کرتا ہے میں نے اس کے خاندان میں پہلے بادشاہ کے ہو گذرنے کا سوال کیا اور تم نے نفی میں جواب دیا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ اپنے اجداد کی کھوئی ہوئی حکومت کا خواہش مند ہے میں نے تم سے اس کے صدق و راستی سے متعلق استفسار کیا اور تم نے ہمیشہ سے اس کے صادق ہونے کی شہادت دی تو میں نے سنتے ہی یقین کر لیا کہ جو شخص کبھی انسانوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا وہ ہرگز کبھی خدا پر بھی جھوٹ نہیں بول سکتا : میں نے تم سے اس کے متبعین کے بارہ میں سوال کیا تھا کہ وہ ذی اثر ہیں یا کہ کمزور۔ تم نے کہا تھا کمزور ہیں : تو یاد رکھو اوّلاً انبیاء کے پیروکار اکثر کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں : میں نے دریافت کیا تھا کہ اس کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں : تم نے جواباً کہا تھا کہ بڑھ رہے ہیں سو ایمان کی مقناطیسی کشش کا یہی عالم ہوتا ہے کہ اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے میں نے تم سے اس کے متبعین میں سے کسی کے مرتد ہونے کے بارہ میں گفتگو کی تھی تو تم نے شدت سے انکار کیا تھا : پس تم یقین کر لو کہ ایمان کی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ جبر و اکراہ کی تلوار سے نہیں بلکہ صداقت و حسنِ کردار سے دل نشیں ہوتا ہے میں نے تم سے اس کی

پابندیٔ عہد سے متعلق پوچھ رہا تھا اور تم نے کہا تھا کہ وہ عہد شکن نہیں: تو واقعی نبی کی یہی شان ہوتی ہے: اور پھر تم نے اس کی دعوتِ توحید اور نہی عن الشرک اور اقامت صلوٰۃ اور راست گوئی اور عفت آموزی جیسی پاکیزہ تعلیمات بیان کیں۔ اگر یہ حقائق ہیں تو میری حدودِ سلطنت تک اس کا قبضہ ہوگا۔ مجھے ایک نبی کے ظہور کا تو علم تھا۔ مگر یہ گمان ہرگز نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا: اگر میں اس کے پاس جا سکتا تو اس کے پاؤں بھی دھوتا:۔ جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ دربارِ شاہی سے نکل کر باہر آئے تو قیصرِ روم کی مبنی بر حقائق گفتگو کے نتیجہ میں عظمتِ اسلام اور حقانیتِ رسول کا جو نقش دل میں ابھرا تھا اس کا اظہار اپنے رفقاء سے کیے بغیر نہ رہ سکے اور فرمایا ابوکبشہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مادری رشتہ میں کسی نانا کا نام ہے) کے بیٹے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات اتنی بلند و بالا ہے کہ روم کا بادشاہ بھی اس سے خائف نظر آرہا ہے:۔

(اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سُسر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والدِ محترم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کو نور سے بھرے اور ان کی دورِ حاضر میں بھرپور طریقہ سے کی جانے والی کردار کشی کو اُن کے رفعِ درجات کا اپنی شایانِ شان ذریعہ بنا کر اُن کا بُرا چاہنے والوں کو خائب و خاسر فرمائے آمین) جنہوں نے زمانۂ کفر میں بھی نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت اور حسنِ معاشرت کا نقشہ کچھ اس انداز سے کھینچا کہ قیصرِ روم کے دل میں بات اثر کرتی چلی گئی اور پھر قیصرِ روم نے بڑے بڑے عیسائی علماء و رُہبان کے سامنے کچھ اس طریقہ پر اپنے سوالات کی حکمت بیان کی: کہ عرب کا کارواں بھی اس کے روحانی اثرات اپنے قلوب و اذہان میں سمیٹ کر اٹھا:

راقم السّطور کے نزدیک حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دل کی باگ ڈور عظمتِ اسلام اور غلامیٔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جن حوادث و احوال نے موڑی۔ ان میں یہ شاہی دربار کا بارعب منظر اور پھر متعصب عیسائی سپر طاقت قیصرِ روم ہرقل کی

مذکورہ بالا گفتگو بھی شاملِ ہے (اللّٰھُمَّ ارحم معاویۃ وابی سفیان رضی اللہ عنہما)

ایمان لاکر کوئی صحابی دوبارہ کفر کا رُخ نہیں کرتا

(صحابۂ کرام کے رسوخ ایمان پر حضرت ابوسفیان کی تاریخی شہادت)

جیسا کہ ابھی پہلے گذرا کہ قیصرِ روم ہرقل کی طرف سے نبوتِ محمدیہؐ کی حقانیت معلوم کرنے کے سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ تھا۔ ابوسفیانؓ: بتلائیے اُس مُدعیِ نبوت پر ایمان لانے کے بعد کوئی صحابی دین کو (ارتداد اختیار کرتے ہوئے) چھوڑتا بھی ہے؟ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی بڑا مبنی برحقیقت جواب دیا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوکر پھر کوئی صحابی اس دین کو چھوڑ دے (اور مرتد ہوجائے) حضرت ابوسفیانؓ کا یہ تاریخی جملہ ایسے ماحول میں دل کی گہرائیوں سے زبان پر مچلا تھا۔ جبکہ عربی تُجار کے قافلہ کی پوری جماعت ایک سُپر طاقت کے اس حکم کی زنجیر میں جکڑی ہوئی مُجیب کی پشت کے پیچھے موجود تھی کہ اگر مسئول عنہ (یہ شخص) نبوت سے متعلق انتہائی اہم مسئلہ کے چہرہ سے پردہ اٹھانے میں غلط بیانی سے کام لے۔ تو تم اس کو روکنے پر مامور ہو: پھر قیصرِ روم نے بڑے بڑے عیسائی پادریوں کی موجودگی میں آسمانی کتُب سے ماخوذ بات ایک یہ کہی تھی کہ واقعی ایمانی حلاوت و چاشنی چیز ہی ایسی ہے کہ جو اس کو چکھ لے۔ پھر اس کے لیے کفر اختیار کرنا مشکل ہے: غور فرمائیے کہ صحابہ کرامؓ کے رُسوخ ایمان پر یہ شہادت کسی مسلمان کی نہیں بلکہ اس وقت کے غیر مسلم کی ہے اور وہ بھی اس انداز سے کہ کوئی ایک شخص بھی اسلام قبول کرکے دوبارہ کفر کا رُخ نہیں کرتا اور قیصرِ روم ذمہ دار ارکانِ دولت اور علمائے اہلِ کتاب کے سامنے اس کی تصدیق کرتا ہے:

اور حقیقت یہی ہے کہ حقیقی مومن کا مُرتد ہوجانا ناممکن ہے: امامِ اہل سنت حضرت

مولانا علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیات قرآنیہ کی تفسیر کے ضمن میں مسئلہ ارتداد پر بحث فرماتے ہوئے بڑی پتہ کی بات تحریر فرمائی ؛ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو قبائل مُرتد ہو گئے تھے ۔ ان کا یہ ارتداد صُورۃً تھا حقیقۃً دل سے ایمان لانے والے کا تو اسلام سے بغاوت کر کے مُرتد ہونا محال ہے یہ قبائل ازراہِ نفاق برائے حصولِ اغراضِ دنیاوی صرف اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے اور چونکہ شریعتِ محمدیہ میں ظاہری حالات پر احکام جاری ہوتے ہیں اور دل کے اندرونی حالات کو اللہ تعالیٰ کے سپُرد کیا جاتا ہے اس لیے ان بظاہر مسلمان کہلانے والے قبائل نے جب علانیہ زکوٰۃ اور ختمِ نبوت کا انکار کیا اور اس طرح صورۃً مُرتد ہوئے تو شرعی احکام کے تحت ان کے ساتھ جہاد کیا گیا اور آئندہ کے لیے ارتداد کا دروازہ بند کر کے پرچمِ اسلام کو سربلند رکھا گیا ؛ حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درایۃً بھی صحیح ہے ۔ کیونکہ مکی زندگی کے تیرہ سالہ کٹھن دور میں جب صوری ارتداد کی مثال شاذ و نادر ہے ۔ حالانکہ اس وقت قبولِ اسلام اپنے اوپر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے کے مترادف تھا ۔ تو مدنی زندگی بالخصوص فتح مکہ کے بعد کے زمانہ میں دل سے اسلام قبول کرنے والے قبائل کا حقیقۃً مُرتد ہونا فہم سے بالاتر ہے ۔ کیونکہ مکی زندگی کے مقابلہ میں تو مدنی زندگی آسائش اور فتوحات کا زمانہ تھا اور پہلے جیسے کٹھن حالات نہ تھے ؛ بہرحال ارتداد اختیار کرنے والے قبائل صورۃً مُرتد تھے ۔ حقیقت میں تو وہ مسلمان تھے ہی نہیں ؛ قیصرِ روم کی نظر تربیتِ انبیاء کی عظمت پر تھی ؛ اس لیے کہا تھا کہ ایمانی حلاوت جب پیغمبر کے تزکیہ سے دل میں رچ بس جائے تو پھر صحابی رسول کا مُرتد ہونا ناممکن ہے ؛ کیونکہ خالقِ کائنات نے صحابہ کرامؓ کے قلوب و اذہان کے دنیاوی ساز و سامان کی محبت اور اخلاق رذیلہ کی ظلمتوں سے تزکیہ (پاک و صاف کرنے) کی ذمہ داری اپنے محبوب کو سونپی اور خود نگرانی فرمائی تو پھر یارانِ نبی کی اسلام پر استقامت و ثابت قدمی کا یہ عالم کیونکر نہ ہوتا ؛

؎ وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد کے مُردے اکھڑ گئے
یہ مری جبینِ نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

اب اس کے بالکل مقابل اپنے آپ کو سچا مومن سمجھنے والے اسمائی گروہ کا عقیدہ بھی انہی کی معتبر و مجتہد شخصیات کی تحریرات کی روشنی میں ملاحظہ فرمالیں :

۱ ۔ علامہ محمدؐ بن یعقوب کلینی اپنی مشہور کتاب اصولِ کافی سے ملحق روضۂ کافی جلد اوّل صفحہ ۴۰ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خطبۂ وسیلہ کا ایک حصّہ یوں نقل کرتے ہیں
حَتّٰی اذا دعا اللّٰہ عزوجل نبیّہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ورقعہ الیک لم یک ذٰلک بَعدہٗ الا کلمحتہ من خفقۃٍ او ومیض من برقۃٍ الی ان رجعوا علی الاعقاب وانتکصوا علی الادباد وطلبوا بالاوتار واظھر والکتائب وردموا الباب وفلّوا الدیاد وغیّروا اٰثار رسول اللّٰہ ورغبوا عن احکامہٖ الخ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلالیا اور اپنی طرف اٹھالیا تو آسمان پر بجلی کوندنے جتنی دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ لوگ (صحابہ کرامؓ) انہی پاؤں دین سے پلٹ گئے اور پیٹھ پھیر گئے اور خونریزی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور لشکروں کو تیار کرنے لگے اور رسول کے گھر کا دروازہ بند کر دیا اور گھروں کو برباد کر دیا اور آثارِ رسول کو بدل ڈالا اور احکام سے منہ پھیر لیا:
اور ۲ ۔ اسی کتاب کے صفحہ ۵۵ جلد دوم پر رویت ہے : عن ابی جعفرٍ قال کان النّاس اھلَ ردّۃ بعد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا ثلٰثۃ :فقلت ومن الثلٰثۃ ؟ فقال المقداد بن الاسود وابوذر الغفاری وسلمان الفارسی رحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ علیھم : امام محمد باقرؒ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب لوگ مُرتد ہو گئے تھے ۔ سوائے تین کے ۔ جناب کے باپ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ وہ تین کون ہیں جو مُرتد نہ ہوئے تھے ؟

امام محمد باقر نے فرمایا وہ تین افراد مقداد بن اسود اور ابوذر غفاری اور سلمان فارسی ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں :

۔ محمد حسین ڈھکو شیعی مجتہد اپنی کتاب تجلیاتِ صداقت صفحہ ۱۰۵ پر تحریر کرتے ہیں :۔ اور ہم نے ان کا تفصیلی جواب باصواب بھی وہیں پیش کر دیا ہے اور قرآنی آیات تاریخی واقعات اور روایاتِ متواترات سے اکثر صحابہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد مُرتد ہونا ثابت کر دیا ہے : اور پھر : صفحہ ۲۰۱ پر تحریر کرتے ہیں :۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادرانِ اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحابِ ثلٰثہ (حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں ہے۔ اہلِ سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب و امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولتِ ایمان و ایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں :۔ ان تمام روایات سے اندازہ لگائیے کہ سبائی گروہ نے اس عقیدہ کو پروان چڑھانے کے لیے ان ائمہ کرام کی طرف منسوب کر ڈالا جن کا دامن اس اتہام سے بالکل صاف ہے، گویا اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے بندوق ان حضرات کے کاندھوں پر رکھ کر صحابہ کرام پر کفر و ارتداد کا فائر کھولا۔ محمد حسین ڈھکو شیعی اپنی کتاب : تجلیاتِ صداقت : صفحہ ۱۰۵ پر تحریر کرتے ہیں : اگر کسی مدرسہ کے تمام طالب علم ناکام ہو جائیں۔ تب تو ہر آدمی مدرس اور مُعلّم ہی کو مورد طعن قرار دے گا۔ لیکن اگر چند لڑکے ہی پاس ہو جائیں تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ پڑھانے والے نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ورنہ یہ چند لڑکے بھی کامیاب نہ ہوتے۔ لہٰذا ناکام ہونے والوں کی ناکامی کی ذمہ داری خود انہی پر عائد ہوگی "! ڈھکو صاحب بغضِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مغلوب ہو کر معاملہ کی نزاکت کو ملحوظ نہ رکھ سکے۔ یہ نہ سوچا کہ وہ کس ہستی کے زیرِ تعلیم ؟ کلاس کی ناکامی کا اس بھونڈے انداز سے نقشہ کھینچ رہے ہیں : وہ ہستی ؟ جس کی رسالت و نبوت عالمگیر

تھی : قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا : آپ اعلان فرما دیں کہ اے انسانی کائنات بلاشبہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں : وہ پاکیزہ سیرت وصورت شخصیت جس کو پوری کائنات کا مُعلّم قرار دیا گیا : وہ حضرت آمنہؓ کا دُرِّ یتیم ؟ جس کی حسنِ تعلیم وتربیت اور تاثیرِ کلام کا یہ عالم تھا : کہ ایک کافر لڑکے ابُو محذورہؓ کو ایک منزل پر اذان کی نقل اتارتے دیکھا : اُس کے اُبھرتے ہوئے شباب پر رحم آگیا ۔ اسے اپنے پاس بلاکر اذان کے وہی کلمات کہلوائے اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے الفاظ ذرا بلند آواز سے ادا کرنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ : کی حسین عبارت میں اپنے اللہ سے اس نوجوان کی نقل کو اصل بنانے کی درخواست فرمائی پھر کیا تھا اذان کے اختتام سے قبل ہی ابو محذورہؓ کے دل کی دنیا بدل گئی اور اس کے سینہ میں عظمت الٰہی اور محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیلاب اُمڈ آیا : جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے کافر تھے اور گھر واپس آئے تو صحبت وفیضِ نبوت کے نور سے چہرہ جگمگا رہا تھا اور اصحاب نبیؐ کی فہرست میں نام درج ہونے پر مقدر ناز کر رہا تھا بھلا معلمِ کائنات کے پاکیزہ طریق تعلیم وتربیت سے باقی دنیا کے عام نظامِ تعلیم کو کیا نسبت ؟ جس اسلامی مرکزی ادارہ کا نگران اعلیٰ خود خدائے پاک ہو ۔ جس نے انبیاء علیہم السّلام کے طبقہ سے بھی اکمل طریق پر صفاتِ کمال اور حسنِ سیرت واخلاق اپنے محبوبؐ کی ذات میں ودیعت رکھے ہوں اور اس کی جبینِ اقدس پر ختمِ نبوت کا تاج سجایا ہو اور پھر ساری دنیا میں اسلام کو سربلند کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو تو کیا اور کیا جا سکتا ہے ؟ کہ اُس نے ادارۂ محمدیہ میں فیض حاصل کرنے والے طلبہ کو مُعلّم کی شایانِ شان ایمانی استقامت ورسوخ اور تعلیماتِ وارشاداتِ نبویہ کو سینوں میں محفوظ رکھنے کی اعلیٰ صلاحیت اور استعداد عطا نہ کی ہو اور دعوت وتبلیغِ اسلام کا موثر ومنفرد انداز نہ بخشا ہو : یہی تو حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا طغرائے امتیاز ہے کہ جو

بھی اخلاص سے آپ کے قدموں میں آگئے اور ان پر جونہی نظرِ رحمت فرمائی اور اپنی تربیت میں قبول فرمالیا۔ بس پھر تو فتح و ظفر ان کا مقدر بن گئی اب تو کسی کو گلہ تھا تو اپنی تنگیٔ داماں کا ـــــــ کسی شاعر نے خوب کہا ہے

؎ دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ داد

عطا کرنے والا تو بڑی فیاضی سے کام لے رہا تھا۔ اب تو پیاسوں کی اپنی ہمت کا کا مسئلہ تھا ؎

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کے خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

؎ فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک

وہ مجسم رحمت نبی؟ جس کی نظرِ رحمت اثر ایسی تھی کہ ابو سفیانؓ بن حارث بن عبد المطلب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد برادر ہیں جنہوں نے نظم و نثر میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے زمانۂ کفر میں جی بھر کر ہجو کی تھی۔ ان کے رد میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی اشعار کہے تھے: فتح مکہ کا زمانہ ان کے خفتہ مقدر کی بیداری کا زمانہ ہے۔ ایک روایت کے مطابق مکہ شریف میں حضور علیہ السلام کے داخلہ سے قبل سقیا اور عرج دو جگہوں کے درمیان جرأت کر کے بارگاہِ رسالت میں توبہ کے لیے حاضر ہوئے۔ ان کی سابق دل آزار حرکات کے پیشِ نظر حضورؐ نے چہرۂ انور پھیر لیا: بس پھر تو ایسی بے کلی ہوئی کہ نہ رات کو سکون نہ دن کو چین: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اپنی داستان سنائی: مخزنِ علم و حکمت نے کہا کہ ابو سفیانؓ: رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری کا ڈھنگ تو سیکھ لیا ہوتا؟ اب تم بارگاہِ رسالت

میں چہرۂ انور کے سامنے کھڑے ہو کر عاجزی و مسکنت کے ساتھ وہی کلمات دہرانا جو برادرانِ یوسف علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دنیا کے عظیم منصب پر فائز دیکھ کر اپنی ماضی کی تمام خطاؤں کو یاد کر کے کہے تھے۔ چنانچہ ابوسفیانؓ لرزاں و ترساں بارگاہ رسالت میں سامنے آکر دست بستہ کھڑے ہو گئے: اور زبانِ مبارک سے تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝ (خدا کی قسم یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر برتری عطا فرمائی: اور قصوروار تو ہم ہی ہیں) سورۂ یوسف کی یہ آیت کریمہ پڑھی: کہتے ہیں یہ سنتے ہی دریائے رحمت میں تلاطم برپا ہو گیا: اور فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائیں گے وہی سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں: یا تو ابوسفیانؓ اس سے کچھ ساعات قبل مخالف سید ابرار تھے اور جب دلِ پر آفتاب رسالت کی کرنیں پڑیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سَيِّدُ فِتْيَانِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (جنتی جوانوں کے سردار) بن گئے۔ وفات کے وقت اہل خانہ رونے لگے تو بڑے اعتماد و وثوق سے فرمایا لَا تَبْكُوْا عَلَيَّ فَاِنِّيْ لَمْ اَتْطَفْ بِخَطِيْئَةٍ مُنْذُ اَسْلَمْتُ: مجھ پر مت روؤ۔ میں نے اسلام لانے کے بعد اپنے دامنِ زندگی کو کسی گناہ سے عیب دار نہیں ہونے دیا: (الاستیعاب صفحہ ۸۴ جلد چہارم)

آہ ایسے راسخ الایمان پاکیزہ فطرت لوگوں پر مرتد ہونے کا اتہام؟

اس درسگاہ کا تو ہر طالب علم سو فیصد کی نسبت سے کامیاب ہو کر نکلا: شیعہ فرقہ کے خواص و عوام چند صرف منٹوں کے لیے عقل و فہم سے صلح کر کے سوچیں اور پھر بتائیں کہ عرب و عجم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے طور پر ایک وسیع اسلامی انقلاب ان چند گنے چنے قابل احترام صحابہ کرام کے ہاتھوں ممکن ہے؟ جن کو وہ مرتد ہونے سے مستثنیٰ کرتے ہیں: اگر کوئی غیر مسلم سوال کرے کہ ایک طرف تو تمہاری ہزاروں کتابیں

پیغمبر کے معجزات واصاف کمال ؛ خصائل حمیدہ اور حسن تعلیم وتربیت کے واقعات سے بھری پڑی ہیں اور دوسری طرف تم یہ بھی لکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی وفات کے بعد تمام صحابہ کرام سوائے چند ایک کے اس مشن سے بغاوت کر کے مرتد ہو گئے تھے جس کے لیے وہ پہلے مسلسل سرگرم تھے ؛ تو ان دونوں تصویروں کا صحیح ہونا تو میری فہم سے بالاتر ہے دونوں میں سے ایک ضرور غلط ہے ۔ اب تم بتلاؤ صحیح تصویر کونسی ہے ؟ تو اس کا کیا جواب ہوگا ؟

شیعی مجتہد محمد حسین ڈھکو صاحب ارتداد صحابہ کے دعویٰ پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ استاذ پر طلبہ کی ناکامی کی ذمہ داری کل طلبہ کے ناکام ہونے کی صورت میں عائد ہوگی اگر چند لڑکے بھی کامیاب ہو جائیں تو استاذ بری الذمہ ہوتا ہے ۔ کیونکہ اگر استاذ کی کوتاہی ہوتی تو یہ چند ایک بھی کامیاب نہ ہوتے ؛ ! نامعلوم ڈھکو صاحب تحصیل علم سے فراغت کے بعد کس بے وقوف انتظامیہ کے زیر انتظام چلنے والے ادارہ میں پڑھاتے رہے کہ جہاں استاذ کی محنت وقابلیت کا معیار اپنے زیر تعلیم طلبہ کی مجموعی حیثیت سے ناکامی ہے ؛ ورنہ دنیا جانتی ہے کہ استاذ کی محنت وصلاحیت اور ممکنہ ترقی کا معیار مجموعی حیثیت سے حسن کارکردگی ہوتا ہے ؛ ایسی مضحکہ خیز دلیل پیش کر کے شیعی مجتہد صاحب نے مستقبل میں کسی بھی بد باطن گروہ کے لیے ایک بہترین ہتھیار فراہم کر دیا ہے کہ وہ چاہے تو ان چند حضرات کے بھی مرتد ہو کر ناکام ہونے کا دعویٰ کر دے اور جب اس سے پوچھا جائے تو یہ عجیب دلیل پیش کرے کہ ان (ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش افراد) میں سے کسی ایک میں بھی تو ذاتی قابلیت وصلاحیت موجود نہ تھی تبھی تو سب ناکام ہوئے ورنہ اگر استاذ کی کوتاہی اس کی وجہ ہوتی تو سب کے سب تو ناکام نہ ہوتے ؛ تو جو حیثیت عقل ودانش کی دنیا میں اس دلیل کی ہے وہی ڈھکو صاحب کی اپاہج ومعذور دلیل کی ؛ ہم اس مقام پر یہی کہہ سکتے ہیں کہ اپنے آپ کو مومن کہلانے والے اس طبقہ

سے تو اُس وقت کے غیر مسلم افراد کی ہی سوچ پاکیزہ تھی۔ جن کے گوشۂ خیال میں اللہ کے محبوب پر ایمان لے آنے والے کسی صحابی کا دوبارہ کفر کی طرف لوٹنا محال تھا۔

حضرت ابوسفیانؓ کی مردم شناسی

غزوۂ اُحد کے زمانہ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کفار قریش کے سربراہ تھے اہل اسلام کو ابتداءً اپنی ایک غلطی کی بنا پر نقصان اٹھانا پڑا۔ ستر مجاہدین نے شہادت کے صلہ میں ابدی حیات حاصل کرلی: مگر بالآخر فتح وظفر اہل اسلام کو ہی حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کے اس نقصان پر کفار بہت خوش تھے۔ جنگ کے خاتمہ پر جناب ابوسفیانؓ کا مسلمانوں کی طرف سے گذر ہوا تو بڑی ترنگ میں آکر پکارا کیا تم لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں۔ آپؐ نے صحابہ کو خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا: انہوں نے دوبارہ پوچھا کیا تم میں ابُوقحافہؓ کے بیٹے (حضرت صدیق اکبرؓ) موجود ہیں۔ اس پر بھی سکوت اختیار کیا گیا تیسری بار سوال کیا کیا تم میں عمر بن خطابؓ موجود ہیں۔ اس پر بھی جواباً خاموشی اختیار کی گئی۔ تو ابوسفیانؓ بولے (معلوم ہوتا ہے) یہ سب قتل ہوچکے۔ زندہ ہوتے تو جواب ضرور آتا یہ سن کر مرادِ نبیؐ دامادِ علیؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا گرج کر بولے۔ او اللہ کے دشمن تو جھوٹ بولتا ہے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے تیرے قتل کے لیے باقی رکھا ہے۔ (حسبِ ضرورت اسی قدر قصّہ پر اکتفا کیا جاتا ہے) اس واقعہ سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی فراست وفہم کا پتہ چلتا ہے: کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت صدیق اکبرؓ اور تیسرے نمبر پر حضرت عمرؓ دامادِ حیدرؓ کا پتہ پوچھا تھا۔ حالانکہ ان حضرات کے علاوہ بڑے بڑے معزز اشخاص موجود تھے: اور پھر جواب نہ آنے پر جب اسلام کے خلاف کھل کھیلنے کے لیے میدان صاف نظر آیا تو کہا یہ قتل ہوگئے۔ زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔

دراصل بات یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن حضرات کے ساتھ خصوصی عنایات وتوجہات اور نہایت قرب کی وجہ سے خوب جانتے تھے کہ خلافتِ نبوت میں پہلا نمبر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے : جن کے ہوتے ہوئے ہماری دال نہ گلے گی : اس نکتہ کو سمجھنے کے لیے عالی دماغ اور دیانت وچشم بینا کی ضرورت ہے : بھنگ اور چرس کے عادی اذہان ۔قلبی بصیرت سے محروم قلوب اور تعصب وعناد کے مریض ان اشارات کو نہیں سمجھ پاتے :

دنیا دار تو اندھے ہیں
سمجھے ترا اشارہ کون

حضرت ابوسفیان بحیثیت بُت شکن

قبولِ اسلام کے بعد رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیانؓ کو عظمتِ توحید باری اور معبودانِ باطل سے بیزاری کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لیے بت شکنی کے محاذ پر روانہ فرمایا حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ مع الاستیعاب صـ۱۷۲ جلد دوم پر لکھا ہے کہ : قدید : کے مقام پر ، منات : نامی بت ڈھانے کے لیے اِن کو مامور فرمایا ۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر اس کو پاش پاش کر ڈالا : تربیتِ نبوی کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ برسوں کی پڑی ہوئی بت پرستی کی عادت ایک ہی صحبت سے چھوٹ گئی :

قدم قدم پہ برکتیں ۔ نفس نفس پہ رحمتیں
جہاں جہاں سے وہ شفیعِ عاصیاں گذر گیا

مُرتد کو موت کے گھاٹ اُتارنے والی پہلی شخصیت

علامہ ابنِ کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر ابن کثیر کی جلد چہارم ص ۳۴۹ پر وَاَحْسَنُ من هذا ما رواه بن ابی حاتم (اور اس سے احسن وہ روایت ہے جسے ابنِ ابی حاتم نے نقل کیا ہے) کی عبارت کے بعد ابن شہاب کی یہ روایت نقل کی ہے: ان رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمل منجر بن حربٍ علی بعض الیمن فلمّا قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل فلقی ذا الخمار مرتدًا فقاتله فکان اوّل من قاتل فی الرّدة وجاهد عن الدّین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سفیانؓ کو یمن کے بعض حصّہ پر عامل مقرر فرمایا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ تو حضرت ابو سفیان عازمِ سفرِ مدینہ ہوئے۔ اسی اثناء میں آپ کو ذوالخمار نامی شخص ملا جو اسلام چھوڑ کر مرتد ہوگیا تھا: حضرت ابو سفیان نے اس سے لڑائی کی اور جب باز نہ آیا تو موت کے گھاٹ اتار دیا (اور اس طرح اسلامی حکومت کو ادائیگی زکوٰۃ اور ختم نبوت کا انکار کرکے مرتد ہونے والوں کا علاج بتلا دیا) ابنِ شہاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سفیانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ارتداد کے خلاف جنگ کی اور دینِ اسلام کی طرف سے دفاع کیا: وقال ابن شهاب وهو مِمَّنْ انزل اللہ فِیْه (عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منهم مودة الخ) راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت و دوستی پیدا کرے گا۔

وفات

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے قبولِ اسلام کے بعد مذہب اسلام کے ساتھ مخلصانہ وابستگی اور عشقِ رسالت کے انمٹ نقوش ثبت کر کے شہید مظلوم سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال گذرنے پر وفات پائی الاصابہ جلد دوم صفحہ ۱۸۰ پر واقدی کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس وقت ان کی عمر اٹھاسی ۸۸ برس تھی: اور: نسب قریش: میں علامہ زبیریؒ نے بعمر ستر ۷۰ سال مدینہ منورہ میں وفات نقل کی ہے:

جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر
مثلِ تلچھٹ رہ گئے ہم خاک پر

حضرت ہند رضی اللہ عنہا اسلام لاتی ہیں

ابن سعد اپنی مشہور تاریخی کتاب الطبقات الکبری صفحہ ۲۳۶ جلد ہشتم پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں: لما کان یوم الفتح اسلمت هند بنت عتبة ولنساء معها واتین رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وهو بالا بطح فبایعنه فتکلمت هند فقالت یا رسول اللہ الحمد للہ الذی اظهر الدّین الذی اختاره لنفسه لتنفعنی رحمك یا محمد انی امرأة مؤمنة باللہ مصدقة برسوله ثم کشفت عن نقابها وقالت انا هند بنت عتبة: جب فتح مکہ کا دن تھا ہند بنت عتبہ اور ان کے ساتھ اور کئی عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ اس وقت مقام ابطح میں تھے پس ان

عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی (ابن زبیرؓ فرماتے ہیں) پھر ہندؓ نے گفتگو کی اور کہا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے پسندیدہ دین کو غالب فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور مجھے آپ کی رشتہ داری نفع دے گی۔ بیشک میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہوں اور اس کے رسول کی تصدیق کرتی ہوں (جب قلبی خوف دور ہوا) تو چہرہ سے نقاب اٹھایا اور کہا حضور میں (آپ کی خوشدامن) ہند بنت عتبہ ہوں: ابن سعد لکھتے ہیں فقال موحبا بك: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش آمدید کے طور پر مَرْحَبًا فرمایا: اسی روایت میں یہ بھی ہے وقرأ علیھن القرآن وبایعھن فقالت ھند من بینھنّ یا رسول اللہ نما سحك فقال انّی لا اصافح النّساء: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے قرآن کریم پڑھا اور بیعت فرمایا۔ ان عورتوں میں سے حضرت ہندؓ کہنے لگیں یا رسول اللہ ہم آپ سے مصافحہ کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ہند کی گفتگو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فتح مکہ کے روز حضرت ہند رضی اللہ عنہا کی بارگاہِ رسالت میں حاضری کے بعد اُن کی یہ گفتگو نقل فرماتی ہیں حضرت ہندؓ نے عرض کی یا رسولَ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب سے پہلے کوئی گھرانہ مجھے آپؐ کے گھرانے سے زیادہ ناپسند نہ تھا: مگر اب (قبولِ اسلام کے بعد) صفحۂ ہستی پر موجود کوئی گھرانہ آپؐ کے گھرانہ سے زیادہ محبوب و عزیز نہیں: یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفیہ تصدیق فرمائی اور ارشاد فرمایا تجھے اس جذبہ میں اور ترقی عطا ہوگی: (فتح الباری جلد ۷ کتاب المناقب)

بیعت کے وقت حضرت ہند کی شوخ گفتگو

فتح مکہ کے جس روز قریش مکہ کی عورتیں بیعت کے لیے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں سورۃ الممتحنہ کی یہ آیت نازل ہو چکی تھی جس میں ان شرائط کا ذکر ہے جن پر بیعت لی گئی : ان عورتوں میں محبوبِ خدا کی خوشدامن حضرت ہند رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں ؛ حضرت مولانا محمد نافع صاحب (فاضل دارالعلوم دیوبند) محمدی شریف جھنگوی نے اپنی کتاب : حضرت ابوسفیانؓ : صـ۷۳ تا صـ۶۵ حضرت ہندؓ کی جو کلام نقل فرمائی ہے: اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے : پہلی شرط ان لایشرکن باللہ شیئًا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی ۔ اس وقت حضرت ہندؓ نے عرض کی کیف نطمع ان تقبل منّا مالم تقبل من الرجال : بھلا ہم کیسے توقع کر سکتی ہیں کہ شرک جب مردوں کے حق میں روا نہیں رکھا گیا ہمارے حق میں روا رکھا جائے گا ۔ (تفسیر البحر المحیط) دوسری شرط : وَلَا یَسْرِقْنَ : چوری نہیں کریں گی : اس پر بیعت کرتے وقت گویا ہوئیں ۔ یا رسول اللہ میرے خاوند مال کو روک رکھنے والے ہیں اور وہ کچھ جو ہمیں دیتے ہیں وہ میری اور بال بچوں کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے ۔ تو کیا مجھے خاوند کے مال سے بقدرِ ضرورت حصہ لے لینا حلال ہے ؟ فرمایا ہاں جو کچھ لیا اور جو آئندہ بقدر ضرورت لوگی تمہارے لیے حلال ہے : تیسری شرط وَلَا یَزْنِیْنَ : زنا نہیں کریں گی : اس پر بطورِ تعجب حضرت ہندؓ بولیں : یا رسول اللہ کوئی آزاد شریف عورت بھی ایسا کر سکتی ہے ؟ (اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہندؓ کی نظر میں زنا اسقدر قبیح و شنیع فعل تھا کہ وہ ایک شریف آزاد عورت سے اس کے صدور کا تصور بھی نہ کر سکتی تھیں اور یہ گفتگو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قبولِ اسلام کی بیعت کرتے وقت کی تھی : مگر صحابہ کرام کے ازلی دشمن شرم و حیا سے عاری فاضلِ عراق غلام حسین

نجفی شیعی لاہوری اپنی ناپاک کتاب : قول مقبول : صفحہ ۳۲۰ پر تحریر کرتا ہے حضرت ہند معاویہ کی ماں اور ان کی ایک اور دادی حمامہ دونوں جھنڈے والی تھیں : اور صفحہ ۳۴۰ پر لکھتے ہیں ۔ جناب ہند امیر شام کی ماں یزید کی دادی زنا کار تھی ! (معاذ اللہ) جھنڈے والی سے مراد نجفی صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ان دونوں کا گھر بدکاری کا اڈہ تھا اور اس پر اس کاروبار کے لیے علامتی نشان تھا : مقام غور ہے کہ اگر حضرت ہند رضی اللہ عنہا فی الحقیقت اس قماش کی عورت ہوتیں اور ان کی شہرت ایسے خراب ہوتی جیسا کہ نجفی صاحب نے تحریر کیا ہے تو ہرگز سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور دوسری عورتوں کی موجودگی میں اس قدر جرأت و دلیری کے ساتھ فعلِ زنا سے اجتناب کی شرط پر اس انداز سے حیرت و استعجاب کا اظہار نہ فرماتیں : کیونکہ یہ امر عقل و فہم سے بالاتر ہے کہ جس عورت کا ماضی اتنا تاریک ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے وقت آئینہ کی مانند سامنے ہو اور پاس سابق زمانہ کے حالات سے واقف عورتیں بیٹھی ہوں اور پھر وہ یہ سوال کرے کہ یا رسول اللہ کیا کوئی شریف آزاد عورت بھی ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کر سکتی ہے ۔ چوتھی شرط : وَان یقتلن اولادھن : اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی : حضرتِ ہند رضؓ نے بڑی معصومیت کے ساتھ عجیب انداز سے کلام فرمایا : رَبَّیْنَا ھُمْ صِغَارًا وَقَتَلْتَھُمْ کِبَارًا یَوْمَ بدر : ہم نے اولاد کو پرورش کر کے بڑا کیا اور پھر آپؐ نے بدر کے موقع پر انھیں مار ڈالا : یہ گفتگو سن کر رحمتِ دو عالمؐ اور واسطۂ بیعتِ نساء حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسکرا اُٹھے : وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ آپؐ کی کسی بھی معروف کام میں نافرمانی نہیں کریں گی اس پر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساس کہنے لگیں ہم اس بابرکت محفل میں اطاعت و فرماں برداری کا عہد کرنے ہی کے لیے تو آئی ہیں : حضرت ہندؓ سے حدیث نقل کرنے والوں میں اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شامل ہیں :

قبول اسلام کا اثر

جب حضرت ہند رضی اللہ عنہا کے دل میں عظمتِ اسلام اور محبتِ رسالت نے گھر بنالیا اور دربارِ نبوت سے واپس گھر پہنچیں تو گھر میں وہ بت رکھا ہوا دیکھا جس کی پہلے پرستش کرتی تھیں کلہاڑا اٹھایا اور اس سے بت کو پاش پاش کر دیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا کُنَّا مِنْكَ فِي غرور: ہم تو تیری ہی وجہ سے اب تک دھوکہ میں رہے۔
(بحوالہ حضرت ابوسفیانؓ ص ۵۹)

وفات

حضرت ہندؓ کی وفات خلیفۂ راشد ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۱۴ھ میں اسی روز ہوئی جس روز خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ عثمان رضی اللہ عنہ فوت ہوئے: مدینہ شریف آپکا مدفن ہے:
اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ دَرَجَاتِ اَبَوَیْ مُعَاوِیَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

سیّدنا معاویہؓ کی ازواج و اولاد

۱۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی کا نام فاختہ ہے اس کا سلسلہ نسب یوں ہے فاختہ بنتِ قرظہ بن عمر بن نوفل بن عبد مناف: اس سے عبدالرحمٰن اور عبداللہ دو لڑکے پیدا ہوئے۔ عبدالرحمٰن کی نسبت سے ہی آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔

۲۔ اس کے بعد فاختہ کی بہن کنوہ بنتِ قرظہ سے نکاح ہوا۔ یہی بیوی قبرس کی فتح کے وقت آپ کے ساتھ تھی۔

۳۔ نائلہ بنتِ عمارہ کلبیہ سے نکاح ہوا۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس کو طلاق ہو گئی اس کے

بعد اس سے حبیب بن سلمہ فہری نے شادی کی ۔ اس کے بعد حضرت نعمان بن بشیر نے۔
۴۔ میسون بنت بحدل بن انیف بن ولجہ بن قنافہ کلبی ۔ اس کے متعلق علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں " وکانت حازمۃ عظیمۃ الشان جمالاً و دیاسۃ وعقلاً و دیناً " بڑی دانا اور حسن و جمال اور سرداری اور عقل و دین کے اعتبار سے عظیم الشان تھیں ۔ احتیاط کا یہ عالم تھا اور تقویٰ اس درجہ کا تھا کہ ایک روز حضرت معاویہؓ اپنے ایک خصی غلام کے ساتھ ان کے ہاں آئے ۔ انہوں نے اس سے بھی پردہ کیا اور کہا کہ تمہارے ساتھ یہ کون مرد ہے ؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا یہ تو خصی ہے اس کے سامنے آجایا کرو ۔ کہنے لگیں کہ (خصی کرنے کے ذریعہ) یہ مُثلہ اس لیے نہیں ہے کہ اس کے لیے حرام چیز حلال ہو جائے ۔ ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ اس بیوی سے حضرت معاویہؓ کے ہاں (یزید[1] کے علاوہ) تین لڑکیاں پیدا ہوئیں ایک[2] اَمۃ رَبِّ الْمَشَارِق جو بچپن میں فوت ہوگئی دوسری[3] رَملہ (جس کا نام حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی یاد میں رکھا گیا) اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند عمرو نے نکاح کیا ۔ تیسری ہند جس سے عبداللہ بن عامر کا نکاح ہوا (البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۱۴۵ ۔

برادرانِ حضرت معاویہؓ

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی نرینہ اولاد میں سب سے افضل اور امتیازی شان کے حامل ۔ حضرت[1] یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں جن کا شمار فضلائے صحابہ میں ہوتا ہے ۔ فتحِ مکہ کے وقت اسلام لائے اور شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوئے ان کی کنیت ابوخالد ہے ۔ والدہ کا نام زینب بنت نوفل ہے ۔ طبیعت کے بھلائی پر ڈھلنے کی وجہ سے : یَزِیْدُ الْخَیْر (بھلائی کا یزید) سے پکارے جاتے تھے : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان کو بنی فراس کے صدقات کی وصولی پر عامل

بنایا تھا۔ پھر حج سے واپس آکر ۱۲ھ میں حضرت صدیق اکبرؓ نے امراء افواج اسلامیہ میں شامل رکھا: پھر اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمرؓ نے پہلے ان کو فلسطین کی وزارت سونپی اور جب والیٔ دمشق حضرت معاذ بن جبلؓ نے طاعون کے سبب عَلٰی اِخْتِلَافِ الرِّوایات ۱۷ھ یا ۱۸ھ میں جوانی کے عالم میں بعمر چونتیس سال وفات پائی۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دمشق کی ولایت بھی انہیں کو سونپ دی۔ علامہ ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء ص۳۲۹ جلد نمبر ۱ پر تحریر کرتے ہیں: کان من العقلاء الالباء والشجعان المذکورا سلم یوم الفتح وحَسُنَ اسلامہ: یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عاقل اور زیرک حضرات میں سے تھے اور ان کا شمار قابل ذکر بہادر لوگوں میں ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے وقت اسلام لائے (پھر) آپ کا اسلام حسین رہا (اپنی اسلامی زندگی کے چہرہ پر گرد و غبار پڑنے نہ دیا) وشھید حُنینًا وھو احد الامراء الذین ندبھم ابوبکر لغزو الروم وعقد لہ ابوبکر ومشی معہ تحت رکابہ یسایرہ ویوّدعہ ویوصیہ: غزوۂ حنین میں شریک تھے اور آپ ان امرائے افواج میں سے ہیں جنہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رومیوں سے جہاد کا حکم دیا تھا اور ایک لشکر ان کی ماتحتی میں دے کر اس کا رئیس بنایا (روانہ کرتے وقت) حضرت صدیق اکبرؓ رکاب کے نیچے پیدل چلے جا رہے تھے۔ ضروری ہدایات و نصائح فرما رہے اور الوداع کہہ رہے تھے۔ علامہ ذہبی اس کے بعد تحریر کرتے ہیں: وما ذٰلکَ الا لشرفہٖ وکمال دینہٖ اور یہ امتیازی سلوک حضرت یزیدؓ کے شرف و فضل اور دینی کمال کی وجہ ہی سے تو تھا: ابن سعد بھی الطبقات الکبریٰ ص۴۰۵ ۴۰۶ جلد نمبر ۷ پر یہ واقعہ اس طرح نقل کرتے ہیں: وشیعہ ابوبکر الصدیق راجلاً وقال انی احتسب خطای ھذہٖ فی سبیل اللہ: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ابی سفیان کی پیدل مشایعت فرما رہے تھے

اور ارشاد فرمایا تھا میں بھی حصولِ ثواب کے لیے اللہ کے راستہ میں یہ قدم اٹھا رہا ہوں ۔ بہرحال اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے حکومتی ذمہ داریوں سے بھی بطریق احسن عہدہ برآ ہونے کی آپ کو صلاحیت بخشی تھی تبھی تو آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء کے اتنے معتمد علیہ اور منظور نظر تھے۔ آپ کا جب دمشق میں ۱۹ھ (بمطابق قول ولید بن مسلم) فتح قیساریہ کے بعد انتقال ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی تو ابو اسماعیل محمد بن عبداللہ بصری کی (الاستیعاب ص۳۹۶ جلد نمبر ۳ پر درج شدہ) روایت کے مطابق زار و قطار روتے رہے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کس قدر اہم شخصیت تھے کہ حضرت عمرؓ جیسے حوصلہ مند انسان بھی اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکے ۔ غم مفارقت میں رخساروں پر ڈھلنے والی آنسوؤں کی بارش نے آخر رخصت ہونے والے مسافر آخرت کے ساتھ آپ کے اندرونی تعلقات کی گہرائی کا راز فاش کر ہی دیا : حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اسلامی خدمات کے تذکرہ میں گذرا ہے کہ پرچمِ اسلام جنگ یرموک میں حضرت یزید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا ۔

فائدہ : علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء ص۳۳۰ جلد نمبر ا پر رقمطراز ہیں: ومات هذه السنة فى الطاعون ابوعبيدة امين الامة ومعاذبن جبل سيد العلماء والامير المجاهد شرجيل بن حسنة حليف بنى زهرة وابن عم النبى صلى الله عليه وسلم الفضل بن عباس وله بضع وعشرون سنة والحارث بن هشام ابن المغيرة المخزومى ابوعبد الرحمٰن من الصحابة الاشراف واخوابى جهلٍ وابوجندل بن سهيل بن عمرو العامرى رضى الله عنهم (اس سال طاعون میں امین الامت حضرت ابوعبیدہ سیّد العلماء حضرت معاذ بن جبل (جن کا ذکر پہلے گذر

چکا) امیر مجاہد حضرت شرجیل بن حسنہ حلیف بنی زہرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد برادر حضرت فضل بن عباس (ان کی اس وقت بیس سے چند سال زائد عمر تھی) اور ابوجہل کے بھائی حضرت حارث بن ہشام بن مغیرہ مخزومی جن کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے (یہ صاحب شرف وفضل صحابہ میں سے ہیں) اور حضرت ابوجندل بن سہیل بن عمرو عامری رضی اللہ عنہم فوت ہوئے۔ علامہ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ ص ۴۰۵ جلد نمبر ۷ پر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام زینب بنت نوفل بن خلف بن قولہ ذکر کیا ہے

۲۔ حنظلہ بن ابی سفیان: اس کی ماں کا نام صفیا بنت ابی العاص ہے: یہ حالت کفر پر غزوۂ بدر میں مارا گیا تھا: حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے بیعت کے وقت اسی کے قتل کی طرف اشارہ کیا تھا: ۳۔ عمرو بن ابی سفیان۔ ۴۔ محمد بن ابی سفیان۔

۵۔ عنبسہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ: ان آخری دو کی والدہ کا نام عاتکہ بنت اُزیھر (رضی اللہ عنہا) ہے: حضرت عنبسہ نے اسلام قبول کیا تھا اور حضرت اُمّ حبیبہ سے روایت بھی کی ہے:

۶۔ حضرت عُتبہ بن ابی سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت عہد نبوت میں ہوئی: ان کا شمار تابعین کرام (صحابہ کرام کی زیارت کرنے والوں) میں ہے اور جنگ جمل میں حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے طرف داروں میں تھے۔ اسی اثنار میں ان کی ایک آنکھ بھی شہید ہوگئی تھی: انکے ایک لڑکے کا نام عبداللہ ہے، جس کی والدہ کا نام اُمِّ سعید ہے جو عروہ بن مسعود ثقفی کی دختر ہیں اس لڑکی سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی عقد نکاح ہوا تھا اور دو لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں۔ ایک کا نام ام الحسین اور دوسری کا نام رَملہ رکھا گیا تھا: اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عتبہؓ کا فرزند عبداللہ اور دختران حضرت علی رضی اللہ عنہ رملہ اور اُمّ الحسین آپس میں ماں جائے بھائی بہن ہوئے۔ حضرت معاویہؓ کے برادر حضرت عتبہ کے

دوسرے لڑکے کا نام جو کسی دوسری بیوی سے ہے ولید ہے یہ بڑے حلیم و کریم اور صلہ رحمی کرنے والے تھے ۔ حضرت معاویہ رضؓ نے (ولید بن عتبہ اپنے بھتیجے) کو والیٔ مدینہ طیبہ مقرر کیا تھا : حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب یزید کا قاصد مدینہ طیبہ پہنچا اور ولید کو یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت لینے سے متعلق حکم پہنچا تو ولید نے ان دونوں حضرات کو بلا کر اس مسئلہ پر بات چیت کی اور ان حضرات کا نقطۂ نظر معلوم کیا ۔ انہوں نے بات صبح پر ٹال دی ۔ مروان بن حکم نے کہا بھی کہ انھیں پابند کرلو ۔ ورنہ یہ پھر دکھائی نہ دیں گے ۔ اس بات پر حضرت ابن زبیر رضؓ اور مروان کی باہم جھڑپ بھی ہوئی یہ دونوں حضرات باہر نکل گئے ۔ مروان نے پھر ملامت کی ۔ اس پر ولید نے کہا تھا کہ تیرا جو کچھ ارادہ ہے اس کا مجھے علم ہے ۔ میں بیعت کے لیے ان کی خوں ریزی نہیں کرسکتا اور ان سے مجھے جو قرابت ہے ۔ اس پر آنچ نہیں آنے دوں گا ۔ (نسب قریش ص ۱۳۲/۱۳۳)

نوٹ : قرابت و رشتہ داری سے متعلق تمام معلومات جمہرۃ الانساب اور نسب قریش سے لی گئی ۔ حسینی

خواہران

(بہنیں)

۱ ۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رَمْلَہ بنت حضرت ابی سفیان رضی اللہ عنہا : ان کا اصل نام جمہور اہل علم کے نزدیک رَمْلَہ ہی ہے ۔ حضور علیہ السّلام کی بعثت سے سترہ ۱۷ سال قبل پیدا ہوئیں ۔ ان کی والدہ کا نام صفیّہ بنت ابی العاص ہے ۔ جو رشتہ میں سیّدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی لگتی ہیں ۔ ان کا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا ۔ پھر دونوں مسلمان ہوگئے اور حبشہ کی طرف ہجرت کی ۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک دختر عطا

کی جس کا نام حبیبہ رکھا گیا۔ اسی وجہ سے آپ کی کنیت اُمِّ حبیبہ ہوئی: اور اس کنیت نے اتنی شہرت اختیار کی۔ کہ اصل نام بھی غیر معروف ہوگیا: اس عرصہ میں خاوند ارتداد اختیار کرکے نصرانی ہوگیا: حضرت اُمِّ حبیبہ کی غیرت نے رفیقِ حیات سے توجدا ہونا برداشت کرلیا۔ مگر اسلام سے بے وفائی نہ کی: اللہ تعالیٰ کو یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ان سے مناکحت کا جذبہ پیدا کر دیا: اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی اصحمہؓ کے پاس سفارت بھیجی کہ میرے ساتھ دخترابی سفیانؓ کا عقد کر دیا جائے پیغامِ نبوت کی تکمیل میں حضرت اصحمہ نجاشی نے اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش سے مطلع کیا۔ حضرت رملہؓ کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ اور اس خوشی میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور چند انگشتریاں انعام میں دیں: اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل مقرر کرکے دو بار نجاشی میں بھیجدیا: شام کے وقت نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سمیت تمام مسلمانوں کو جمع کرکے حضرتِ اُمِّ حبیبہ کا نکاح خود پڑھایا اور حضرت خالد بن سعیدؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر کی رقم خود ادا کر دی جب عقد ہوچکا اور ام حبیبہؓ کے وکیل جناب خالد بن سعیدؓ نے مہر کی رقم وصول کرلی اور حاضرینِ مجلس اٹھنے لگے۔ حضرت اصحمہ نے ابھی ٹھہرنے کا حکم دیا اور کہا کہ ولیمہ کا عمل تو انبیاء علیہم السلام کی مبارک سنّت ہے مجمع اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اور دیکھتے دیکھتے ولیمہ کا شاہی کھانا آگیا اور کھانا کھا کر سب رخصت ہوگئے: اور شاہ نجاشی اصحمہ رحمۃ اللہ نے شرجیلؓ بن حسنہ کے ساتھ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کو دربار رسالت میں روانہ کیا اس واقعہ میں یہ بھی ہے کہ جب مہر کی رقم حضرت ام حبیبہؓ نے وصول پائی تو پچاس دینار ابرہہ کو دینے لگیں، انہوں نے پچاس دینار تو کیا لینے تھے۔ پہلے سے بطور انعام لیے ہوئے کنگن اور انگشتریاں یہ کہتے ہوئے واپس کر ڈالیں کہ مجھے بادشاہ نے لینے سے منع کیا ہے دوسرے روز نجاشی کی لونڈی ابرہہ شاہ نجاشی کی طرف سے ہدایا اور

تحائف کے طور پر عنبر۔ زعفران اور عُود (اگربتی) لے کر حاضر ہوئی۔ حضرت ام حبیبہؓ یہ سب ہدایا اور تحائف لے کر جب مدینہ شریف پہنچیں۔ تو تمام ہدایا آپ کے مبارک قدموں میں ڈال دیے: بعض تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ کے وکیل نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ تھے: یہ نکاح کونسے سن میں ہوا اس میں دو قول ہیں: ۶ھ: اور دوسرا قول ۷ھ کا ہے۔ اکثر روایات اسی دوسرے قول کی تائید کرتی ہیں: یہ ساری تفصیلات: بلاغِ مبین: از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی سے باعتبارِ مفہوم نقل کی گئی ہیں:۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ جلد چہارم ص ۳۰۵ پر بحوالہ ابن سعد اسماعیل بن عمرو کے طریق سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ایک خواب کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا: کہ میں نے حبشہ کی سکونت کے دوران ایک بار خواب دیکھا کہ میرے خاوند عبید اللہ کی شکل بگڑی ہوئی ہے بڑی گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ صبح اٹھی تو اسی روز خاوند کے نصرانی ہونے کی صورت میں تعبیر پوری ہوگئی۔ میں نے خاوند کو اپنا خواب سنایا مگر اس نے پروانہ کی اور شراب نوشی کا عادی ہوگیا اور پھر مرگیا پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی آنے والے نے مجھے یا اُمّ المؤمنین کے الفاظ سے پکارا۔ مجھے گھبراہٹ ہوئی: میری عدت پوری ہوئی تو نجاشی کا قاصد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام لے کر آپہنچا:۔

اُمّ المؤمنین ام حبیبہؓ اور احترامِ نبوتؐ

حضرت ابُوسفیان رضی اللہ عنہ غیر مسلم ہونے کے زمانہ میں ایک خاص ضرورت سے مدینہ طیبہ آئے۔ اپنی دخترِ نیک اختر سے جو حرمِ نبوت میں تھیں ملاقات کرنے کو دل کر گیا اور اُن کے گھر پہنچے۔ دیکھا کہ ایک چارپائی پر بستر لگا ہوا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ میری آمد کی خبر سنکر میری بیٹی نے استقبالیہ کے طور پر میرے بیٹھنے کا پہلے سے ہی

انتظام کیا ہے : مگر جب حضرت ابوسفیانؓ اس پر بیٹھنے لگے ۔ عشقِ رسولؐ سے سرشار غیرت مند بیٹی نے بستر لپیٹ کر رکھ دیا ۔ ابوسفیانؓ نے محو حیرت ہو کر دریافت کیا بیٹی کیا بات ہے ؟ تم نے مجھے اس بستر کے قابل نہ سمجھا یا کہ بستر کو میرے قابل نہ سمجھا؟ حضرت اُمّ حبیبہ بولیں : بل ھو فراش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : دراصل یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ بستر ہے وَاِنَّكَ اِمْرُؤٌ نَجِسٌ مُشْرِكٌ اور آپ (گو میرے والد ہیں مگر) مشرک اور ناپاک شخص ہیں اسلیے یہ بستر آپ کے قابل نہیں : حضرت ابوسفیانؓ نے کہا کہ تجھے اب شر لاحق ہو گیا ہے۔

(الاصابہ صـ۳۰۶ جلد چہارم)

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصات پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء جلد نمبر ۳ صـ۲۱۹ پر تحریر کرتے ہیں : وھی من بنات عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس فی ازواجہ من ھی اقرب نسبًا الیہ منھا ولا فی نسائہ من ھی اکثر صداقا منھا تزوج بھا وھی نائیۃ الدار ابعد منھا : آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد لڑکیوں میں سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں کوئی بھی حضرت اُمّ حبیبہؓ سے زیادہ نسبی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں اور نہ کوئی ایسی عورت ہے جس کا حق مہر ان سے زیادہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسی ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا اور وہ گھر سے اتنی دور ہو جتنی حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں : علامہ ذہبیؒ سیر کے محولہ بالا صفحہ پر ہی حضرت اُمّ حبیبہؓ سے مروی احادیث کی تعداد پینسٹھ بتاتے ہیں جن میں سے دو حدیثوں کا ذکر تو بخاری و مسلم دونوں میں ہے اور دو صرف مسلم نے نقل کی ہیں (اور بقیہ ان کے علاوہ ذخیرۂ احادیث میں ہیں) حضرت اُمّ حبیبہؓ سے جن حضرات نے حدیث نقل کی ہے ان میں آپ کے دو بھائی حضرت معاویہؓ اور عنبسہؓ اور

برادزادہ حضرت عبداللہؓ بن عتبہ اور حضرت عروہ بن زبیر اور ابوصالح السمان اور صفیہ بنت شیبہ اور زینب بنت ابی سلمہ اور شتیر بن مشکل اور ابوالملیح عامر ہذلی رضی اللہ عنہم اور دوسرے حضرت شامل ہیں :

فکرِ آخرت : علامہ ذہبیؒ تحریر کرتے ہیں : الواقدی حدثنی ابوبکر بن ابی سبرۃ عبد المجید بن سہیل عن عوف بن الحارث سمعت عائشۃ تقول دعتنی اُمّ حبیبۃ عند موتھا فقالت قد کان یکون بیننا ما یکون بین الضرائر فغفر اللہ لی ولک ما کان من ذٰلک فقلت غفر اللہ لک ذٰلک کلہ وحلّلک من ذلک فقلت سرتنی سرّک اللہ وارسلت الی ام سلمۃ فقالت لھا مثل ذٰلک (سیر اعلام النبلاء صـ۲۲۳ جلد نمبر۲) واقدی نے سند کے ساتھ عوف بن حارث سے نقل کیا ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خود فرماتے سنا ہے کہ جب حضرت اُمّ حبیبہؓ کا آخری وقت آیا تو مجھے بلایا اور فرمایا (دیکھو آپ خوب جانتی ہیں) کہ ہمارے درمیان سوکنوں والی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی : پس اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی یہ لغزشیں معاف فرمائے ۔ میں نے جواباً کہا اللہ تعالیٰ آپ کی کوتاہیاں بخشے اور اس قسم کی تمام باتوں سے سبکدوش کرے : (یہ سُن کر فرمایا) آپ نے میرا دل مسرور کر دیا ۔ باری تعالیٰ آپ کو خوشی دکھائے اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھی پیغام بھیجکر بلایا اور ان سے بھی یہی گفتگو فرمائی : یہ ہے ازواجِ مطہرات کا پاکیزہ طرزِ عمل جس سے حقوق العباد کی اہمیت اور خداترسی ظاہر ہوتی ہے حق تعالیٰ ان تمام کا دلی احترام اور تقدس نصیب فرمائے ابن سعدؒ اور ابوعبیدہؒ وثوق کے ساتھ حضرت ام حبیبہؓ کی وفات ۴۴ھ میں بمقام مدینۃ المنورۃ زادھا اللہ شرافۃ وکرامۃً نقل کرتے ہیں :

علامہ ابن عبدالبر قرطبیؒ نے الاستیعاب صـ۳۰۶ جلد چہارم پر حضرت علی بن حسین المعروف

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے عجیب روایت نقل کی ہے کہ جب اپنے جدامجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کے ایک بڑے احاطہ میں داخل ہوا۔ تو کسی ضرورت سے گھر کے ایک گوشہ میں گڑھا کھودا۔ اس میں سے ایک پتھر برآمد ہوا جس پر یہ عبارت کندہ تھی: هٰذا قبر رملة بنتِ صخرٍ: یہ صخر (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ) کی دختر رملہ (اُمّ حبیبہؓ) کی قبر ہے: ہم نے وہ پتھر اسی جگہ رکھ کر اس پر مٹی ڈال کر گڑھا بند کر دیا۔

۲۔ اُمیمہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا: علامہ ابن سعدؒ نے اپنی کتاب الطبقات الکبری ص ۲۳۹ جلد نمبر ۸ پر ان کا نام امینہ نقل کیا ہے ان کی والدہ کا صفیا بنت ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ہے: ان کے ساتھ پہلے نکاح ہوا تھا حُویطب بن عبد العزیٰ کا: اس سے ابوسفیان ایک لڑکا ہوا تھا: اس کے بعد ان سے صفوان بن امیہ کا نکاح ہوا (یاد رہے کہ حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت امیمہؓ اور حنظلہ جس کا پہلے ذکر ہوا تینوں باہم حقیقی بھائی بہن ہیں اور تینوں کی والدہ صفیا ہیں۔)

۳۔ جُویریہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا: ان سے پہلے نکاح ہوا تھا سائب بن ابی جیش بن مطلب کا: پھر ان سے نکاح ہوا عبد الرحمن بن حارث بن امیہ کا:

۴۔ اُمّ الحکم بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا۔ ان سے نکاح ہوا تھا عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن ربیعہ کا۔ اس سے عبد الرحمٰن لڑکا ہوا جس کو ابن ام الحکم کہا جاتا تھا:

۵۔ ہند بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا۔ ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس ہے۔ ہندؓ سے نکاح ہوا تھا حارث بن نوفل بن حارث کا۔ اس سے عبد اللہ محمد اکبر ربیعہ۔ عبد الرحمٰن۔ رملہ اور ام الزبیر چھ لڑکے لڑکیاں ہوئیں۔

۶۔ صخرہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا۔ ان سے نکاح ہوا سعید بن خنس بن شریق کا اور اولاد بھی ہوئی (حضرت ہند اور صخرہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔

فائدہ : حضرت معاویہؓ۔ جویریہؓ۔ عتبہؓ اور ام الحکمؓ چاروں حقیقی بہن بھائی ہیں اور چاروں کی والدہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

۷۔ میمونہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا : ان کی والدہ لبابہ بنت ابی العاص ہیں حضرت امیمہ اور میمونہ دونوں خالہ زاد بہنیں ہیں : (واضح ہو کہ مذکورہ بالا چھ عورتوں کو (جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیاں ہیں) علامہ ابن سعدؒ نے الطبقات الکبریٰ جلد نمبر ۸ صفحہ ۲۳۹/۲۴۰ پر تسمیۃ النساء المسلمات المبایعات کے عنوان سے ان عورتوں میں شامل کیا ہے جنہوں نے فتح مکہ کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر کے اسلام قبول کیا تھا : حضرت میمونہؓ بنت ابی سفیانؓ کے بطن سے ہی حضرت علی اکبر شہید کربلا کی والدہ حضرت لیلیٰ بنت ابی مرّہ ہیں :

۸۔ رملہ صغریٰ بنت ابی سفیان۔

ولادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ : حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ الاصابہ صفحہ ۴۲۳ جلد نمبر ۳ پر تحریر کرتے ہیں "ولد قبل البعثۃ بخمس سنین" حضرت معاویہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے اسی قول کو وَھُوَ الاشھر کے الفاظ سے زیادہ مشہور قرار دیا ہے :

حضرت معاویہؓ کا اسلام : حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حدیبیہ کے عمرۃ القضاء کے سال اسلام لائے : علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر اعلام النبلاء صفحہ ۱۲۲ جلد نمبر ۳ پر تحریر کرتے ہیں :

قال مصعب الزبیری : قال کان معاویۃ یقول اسلمتُ عام القضیۃ : حضرت مصعب زبیریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عمرۃ القضاء کے سال اسلام لایا تھا : ایک دوسری روایت سند کے درج ذیل ہے :

ابن سعدٍ حدثنا محمد بن عمر حدثنی ابوبکر بن سبرہ عن عمر بن عبد اللہ العَنْسِیْ قال معاویۃ لما کان عام الحدیبیۃ

وصدّوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البیت وکتبوا بینھم القضیۃ وقع الاسلام فی قلبی فذکرت لامّی فقالت ایاك ان تخالف ایاك فاخفیت اسلامی فواللہ لقد دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الحدیبیۃ وانی مصدّق بہ ودخل مکۃ عام عمرۃ القضیۃ وانا مسلم وعلم ابوسفیان فقال لی یومًا لکن اخوك خیر منك وھو علی دینیٔ فقلت لہ ان نفسی خیراواظھرت اسلامی یوم الفتح فرحّب بی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم وکتبت لہ

(ایضًا)

ابوبکر بن سبرہ حضرت عمر بن عبداللہ عنسی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ حدیبیہ کے سال جب کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ (کا طواف کرنے) سے روکا اور آپس میں آئندہ سال (عمرہ کا) قضا کرنا طے پایا تو اسلام میرے دل میں اتر گیا تھا۔ پس میں نے اس کا ذکر اپنی والدہ سے کیا۔ انہوں نے کہا اپنے والد کی مخالفت سے گریز کرو۔ تو میں نے اسلام چھپائے رکھا: خدا کی قسم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے کوچ فرمایا میں اس وقت آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والا تھا اور جب آپ آئندہ سال عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے میں اس وقت مسلمان تھا: اور (میرے والد) ابوسفیانؓ کو میرے اسلام کا پتہ چلا تو ایک دن مجھے کہا کہ تمہارا بھائی تم سے بہتر ہے جو میرے دین پر ہے تو میں نے عرض کی میں نے اپنی ذاتی بھلائی میں کوئی کوتاہی نہیں کی (بہتر خیال کرکے اسلام لایا ہوں) اور میں نے اسلام کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا (حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مرحبا (خوش آمدید) کہا اور میں آپ کے لیے کاتب رہا:

علامہ ابن سعد الطبقات الکبریٰ ص۴۰۶ جلد نمبر ۳ پر حضرت معاویہؓ کے اسلام کی

کہانی انہیں کی زبانی یوں تحریر کرتے ہیں :

وکان یذکر انه اسلم عام الحدیبیة وکان یکتم اسلامه من ابی سفیان قال فدخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مکة عام الفتح فاظهرت اسلامه ولقیته فرحّب بی :

حضرت معاویہؓ خود بیان کرتے تھے کہ وہ حدیبیہ کے سال اسلام لائے۔ اپنے والد ابوسفیانؓ سے اپنا اسلام مخفی رکھتے تھے (خود فرماتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تب اپنے اسلام کا اعلان کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ آپؐ نے (خوش ہوکر) مجھے مرحبا (خوش آمدید) فرمایا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ الاصابۃ صـ۴۳۳ جلد نمبر۳ پر واقدی کے حوالہ سے حدیبیہ کے بعد آپ کا اسلام نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

وحکی الواقدی انه اسلم بعد الحدیبیة وکتم اسلامه حتٰی اظهره عام الفتح ۔

بنو ہاشم سے نسبی روابط

(جن کا ہر مومن کے دل میں مستحضر رہنا ضروری ہے)

کاتبِ وحی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ قبیلہ کے اعتبار سے قریشی ہیں اور پھر قریش کے اس نامور خاندان بنو امیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو بنو ہاشم کے بعد تمام عرب قبائل سے زیادہ معزز و ذی وقار تصور کیا جاتا تھا ذیل میں اختصاراً ان کی بنو ہاشم کے ساتھ چند قرابتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تاجدارِ ختمِ نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی (سالے) ہیں چونکہ اِن کی ہمشیرہ اُمّ المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں شامل ہیں اور ازواج مطہرات کو قرآنِ پاک کے پارہ نمبر ۲۱ سورۃ الاحزاب رکوع نمبر ۱ میں تمام مومنوں کی مائیں کہا گیا ارشاد ہے وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ: اور نبی کی بیویاں ان (اہلِ ایمان) کی مائیں ہیں۔ اسی لیے ہر سچا مومن ان سب کو اپنی قابلِ صد احترام پاکدامن اور مومن مائیں مانتا ہے اور کسی بھی عنوان سے ان کی توہین کرنے والے کے ایمان کو مشکوک قرار دیتا ہے: حاصل یہ کہ حضرت معاویہؓ اس اعتبار سے تمام اہلِ ایمان کے ماموں ہوئے اس نسبت پر جتنی بھی خوشی کی جائے کم ہے۔ (بحوالہ نسب قریش وطبقات ابن سعد)

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

۲۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن قریبہ صُغریٰ سے حضرت معاویہؓ کا عقدِ نکاح ہوا تو آپ ہم زلفِ نبیؐ بھی ہوئے۔

۳۔ حضرت معاویہؓ کی بہن ہند بنتِ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضرت علیؓ کے چچازاد بھائیوں کی اولاد میں سے حارث بن نوفل حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم کے نکاح میں آئیں: اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ ایک بیٹے کا نام محمد تھا۔ (الاصابہ وطبقات ابن سعد)

۴۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دادی صفیہ بنتِ حزن ہیں۔ جو رشتہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ حضرت اُمّ الفضل اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی لگتی ہیں۔ (نسب قریش مصری ص ۱۲۱/۱۲۲)

۵۔ زینتِ بزم شہدائے اسلام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت علی اکبرؓ (شہیدِ کربلا) کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت اَبُومُرّہ بن مسعود ثقفی ہے اور لیلیٰ کی والدہ میمونہ دخترِ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت معاویہؓ کی بہن ہیں۔ اس اعتبار سے میمونہ دختر حضرت ابوسفیانؓ حضرت حسین کی ساس اور جناب علی اکبرؓ کی نانی ہوئیں۔ حضرت معاویہؓ علی اکبرؓ کی والدہ کے حقیقی ماموں ہوئے؛ اور حضرت ابوسفیانؓ علی اکبرؓ کے رشتہ میں نانا ہوئے (نسب قریش از علامہ مصعب زبیری المتوفی ۲۳۶ھ)

شیعہ مذہب؛ کی مشہور کتاب ذبحِ عظیم ص ۲۱۶ پر لکھتے ہیں: مشہور لقب ان کا حضرت علی اکبر (علیہ السلام) ہے اور وہ منجھلے بیٹے تھے جناب امام حسین کے: کنیت ان کی ابوالحسن تھی۔ مادرگرامی ان کی ام لیلیٰ تھیں اور وہ میمونہ بنت ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ اس راہ سے آپ یزید کے بھانجے تھے یعنی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے:

۶۔ عبداللہ بن خالد (یزید کے پوتے) کے نکاح میں حضرت عباسؓ علم دار کی پوتی نفیسہ آئیں۔ نفیسہ کے والد کا نام بھی عبداللہ ہے اور ان سے ایک لڑکا بھی ہوا جس کا نام علی بن عبداللہ ہے۔ (نسب قریش مصری ص ۱۳۱)

محبّت نما عداوت

گذشتہ حوالہ جات سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا خاندان حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سسرال ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی سسرال ہے اور حضرت علی اکبرؓ شہیدِ کربلا کا ننھیال ہے۔ ہر شریف انسان اپنے

سسرال ننھیال کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی اور حسنِ معاملات سے دریغ نہیں کرتا۔ ان پر خود سبّ وشتم تو کجا دوسرے سے بھی ان کی برائی سننا گوارا نہیں کرتا۔ ان کی توہین کو اپنی توہین خیال کرتا ہے۔ مگر سبائی فرقہ جو اپنے آپ کو بلا شرکتِ غیرے حضرت حسین رضؓ اور آلِ حسین رضؓ کا سچا محب و عاشق کہلاتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سُسرال اور حضرت علی اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے ننھیال پر لعنت اور تبرّا کرنے کو کارِ ثواب جانتا ہے: چنانچہ شیعہ بچوں کی رہنمائی کے لیے مولوی فرمان علی شیعی کی لکھی ہوئی: دینیات کی دوسری کتاب: صلا پر عاشورا کے دن نیک اعمال اور اوراد و وظائف کے سلسلہ میں یہ دعائیہ کلمات بھی درج ہیں: اَللّٰھُمَّ الْعَنْ اَبَا سُفْیَانَ وَمُعَاوِیَۃَ: اے اللہ ابوسفیانؓ اور معاویہؓ پر لعنت کر: اس عبارت سے ذرا آگے یہ کلمات ہیں: عَلَیْھِمْ مِنْکَ اللَّعْنَۃُ اَبَدَ الْاٰبِدِیْن: خدایا تیری طرف سے ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پھٹکار ہو: اس حوالہ سے واضح ہوا کہ شیعہ مذہب میں بچوں کو پہلا سبق صحابہ کرام پر لعنت اور تبرّا بازی کا دیا جاتا ہے۔ جس مذہب کی ابتدا ہی ایسی ہو تو اس کی انتہا کیسی ہوگی: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا امام مانتے ہوئے ان کے سسرال پر تبرّا بازی بھی کیا محبت کی کوئی قسم ہے؟ محبت بھری ادائیں تو کچھ اور ہی ہوتی ہیں:

ٹپکتی ہے نگاہوں سے برستی ہے اداؤں سے
محبّت کون کہتا ہے کہ پہنچانی نہیں جاتی

بہرحال تبرا بازی کا یہ بھونڈا کاروبار امام حسین رضؓ اور جناب علی اکبرؒ کی روحانی اذیت کا موجب ہے افسوسناک و توہین آمیز سلوک وہ گروہ کر رہا ہے جو صبح و شام۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے حضرت علیؓ اور حسنینؓ کا نام جپنا خدا کے نام سے بھی زیادہ ضروری جانتا ہے اور جو یا علیؓ اور یا حسینؓ کے نعرے لگا لگا کے آسمان سر پر اٹھائے رکھتا ہے یہی نہیں

بلکہ سال بھر کی مختلف مجالس بالخصوص محرم الحرام اور چہلم صفر میں ان حضرات کے نام کے نذرانے اور چڑھاوے اور چاولوں کی اَن گنت پلیٹیں اندر انڈیل کر ٹکا رنہیں لیتا:

کیے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی آپ نے ہم پر
خدا جانے اگر تم خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے

واضح ہو کہ اس تمام شنیع کارگذاری سے یہ فرقہ اس اسلام کی قطعی طور پر کوئی خدمت نہیں کر رہا۔ جس کی اشاعت و تقویت کے لیے امامِ عالی مقام حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بحق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو کر اہلِ ایمان کے لیے ایک متحدہ اسلامی پلیٹ فارم فراہم کیا۔ اور جس کی سربلندی کے لیے حضرت حسین سمیت ایک سو پانچ شہدائے کربلا نے جان کی بازی لگا دی جن میں سے بیس ۲۰ کے قریب حضرت حسین کے اقربا تھے اور باقی سب چند کوفی حضرات کو مستثنیٰ کر کے سُنّی الاصل مکی احباب تھے۔ (النجم لکھنؤ ۱۳۵۶ھ بحوالہ تحفہ امامیہ از مولانا مہر محمد صاحب گوجرانوالہ)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

لفظ معاویہ کی معنوی تحقیق

وہ انساں ہی نہیں ہے بدگماں ہو جو صحابہ سے
کہ انساں تو انہیں انسانیت کی جان کہتے ہیں

بہت سے جاہل اور عاقبت نااندیش شیعی ذاکرین اور اُن کے اندھے مقلدین مجالس عزا وغیرہ میں عام کہتے ہیں کہ معاویہ کا معنے (معاذ اللہ) کُتے یا کُتیا کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عقربی فطرت طبقہ سے اس کے سوا اور توقع بھی کیا ہو سکتی ہے: جن لوگوں کے دلوں سے صحابہ کرام کے بُغض کی بنا پر حق تعالیٰ صحیح بات سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب کر لے۔ اُن

کا ایسی گھٹیا حرکات اور اوچھے ہتھکنڈوں سے باز آنا بہت مشکل ہے۔ لیکن چونکہ بعض خام ذہن ان پڑھ سُنّی حضرات پھر یہ پوچھنے آجاتے ہیں تو ضروری معلوم ہوا کہ اس لفظ کی معنوی حیثیت واضح کر دی جائے جو منصف کے لیے باعثِ تسلی اور مُعاند کے لیے مسکتِ ہو پس معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ مُعَاوِیَہ بروزن مُفَاعِلَہ ہے۔ اس کا باب مفاعلہ ہے اسکے مادہ کے اصلی حروف تین ہیں۔ ع ۔ و ۔ ی ۔

لُغت کی مشہور کتب مُنْتَھَی الْاَرَبْ جلد ۲ صـ۲۱۵ اور لسانُ الْعَرَبْ اور تاجُ العروس سے بحوالہ البلاغ کراچی معانی پیش کیے جاتے ہیں ۔

۱۔ تیس برس کی جوانی کی عمر کو پہنچنا کہ قوت سے مدمقابل کا پنجہ مروڑ ڈالے ۔

۲۔ کسی چیز کو موڑنا ۔ مروڑنا ۔

۳۔ کسی کی مدافعت کرنا ۔

۴۔ آواز دیکر پکارنا ۔

۵۔ حمایت یا جنگ وغیرہ کے لیے لوگوں کو بلانا اور جمع کرنا ۔ ان تمام معانی کے اعتبار سے مُعاویہ کا معنے یہ ہوگا ۔ ایسا طاقتور اور شہ زور جو مدمقابل کا پنجہ مروڑ دے یا ایسا صاحب اثر و رسوخ سردار جو لوگوں کو بلائے اور اکٹھا کرے ۔ اور لوگ اس کی آواز پر لَبَّیْکَ کہتے ہوئے آئیں ۔ یا جو اپنے رفقاء ۔ مظلوموں اور کمزوروں کی مدافعت کرے ۔ یہ تمام ایسی انسانی صفات ہیں جو موصوف کے لیے خوبیاں گنی جاتی ہیں ۔ ثانیاً یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت معاویہؓ کے اسلام لانے کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام نہیں تبدیل فرمایا ۔ حالانکہ حضور اکرم علیہ السّلام کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ قبیح نام بدل دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے صـ۴۰۸ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کان یُغَیِّرُ الاسم القبیح.

(رواہ ترمذی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم بُرے نام کو تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔

دوسری روایت صفحہ ۲۰۷ پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انّ بنتًا کانت لعمر یُقال لها عاصیة فسّماها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم جمیلةً۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرؓ کی ایک بیٹی کا نام (جاہلیت میں) عَاصِیَہ (نافرمان) تھا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھا۔

اگر معاویہ نام قبیح ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اُسے تبدیل فرما دیتے۔ حضرت معاویہؓ کے علاوہ سترہ صحابہ کرام ایسے ہیں جن کا نام معاویہ تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نام تبدیل کرنا ثابت نہیں۔ پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبدیل نہ کرنا مستقل دلیل ہے اس بات کی کہ معاویہ معنوی اعتبار سے بُرا نام نہیں۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کہ سارے عرب سے زیادہ فصیح و بلیغ اور عربیت کی گہرائیوں کو جاننے والے تھے۔ یہ معنے کیسے مخفی رہ جاتا۔ عصرِ حاضر کے ذاکرین اور علم دین سے بے بہرہ مجتہدین کو یہ بات کبھی بھولنی نہ چاہیے کہ حضرت علیؓ کے برادر حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ کے پوتے کا نام بھی مُعَاوِیَہ تھا۔ جو اپنے دادا کی نسبت سے مُعاویہ جعفری کہلاتے ہیں مذہب شیعہ کی معتبر کتاب اُصول کافی کے اردو ترجمہ شافی کی جلد اوّل کے صفحہ ۳۰۰ پر مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی وفات سے قبل جانشینی اور دیگر امور سے متعلق جو ضروری وصیّت نامہ خود لکھا تھا۔ اور اس پر جن چند افراد کو گواہ بنایا تھا۔ ان میں یہ معاویہ جعفری بھی شامل ہے

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

نیز علامہ مصعب زبیریؒ نے نسب قریش: میں صفحہ ۸۰ پر لکھتے ہیں۔

ولد جعفر بن ابیطالب عبد اللہ و محمدًا ا دعونًا
اُمّھم اسماء بنت عمیسٍ الخ

ترجمہ : حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاں عبداللہ محمد اور عون پیدا ہوئے ان کی والدہ (حضرت) اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا ہیں۔

اور پھر عبداللہ بن جعفر کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

العقب من ولد عبد اللہ بن جعفر لعلی ومعاویۃ و اسحاق واسمٰعیل الخ

ترجمہ : کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نسل ان کی اولاد میں سے علی۔ معاویہ۔ اسحاق۔ اسماعیل سے چلی ہے۔ حضرت عبداللہ داماد علیؓ بھی ہیں۔

علامہ زبیری نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ میرے والد (حضرت) جعفرؓ کی شہادت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آئے۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کو دو بازو عطا فرمائے ہیں جن سے وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں : تفصیل بالا سے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادر حضرت جعفر طیارؓ کے پوتے (عبداللہ کے لڑکے) کا نام مُعاویہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن جعفر کی وفات نوّے ۹۰ برس کی عمر میں عبدالملک بن مروان کی حکومت کے زمانہ میں ۸۰ھ میں ہوئی۔ اس وقت مدینہ طیبہ کے والی و حاکم ابان بن عثمان (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فرزند) تھے اور نماز جنازہ بھی حضرت عبداللہ کی انہی نے پڑھائی کیا شیعہ ذاکرین حضرت جعفر طیارؓ کے پوتے کے لیے بھی : کُتیا : کا لفظ استعمال کرنا پسند کریں گے ؟ اگر جواب نفی میں ہے تو بتلائیں کہ جو نام حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے فرزند کے لیے قبیح گنا جاتا ہے وہ حضرت جعفرؓ کے پوتے کے لیے کیسے حسین بن گیا ؟

تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں ہے

نیز کیا شیعہ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے اپنے چچا زاد بھائی جناب عبداللہ کو اس پر ٹوکا ہو اور انھیں یہ نام تبدیل کرنے کے لیے دبے الفاظ میں بھی کبھی فرمایا ہو۔ علاوہ ازایں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندان نے شدید اختلافات کے دور میں بھی کبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نام کے قبیح ہونے کے پہلو سے اشارہ بھی فرمایا؟ ہم ترقی یافتہ دور کے شیعہ حضرات سے عرض کرتے ہیں کہ آپ لوگوں میں سے کوئی بھی اپنے لڑکے کا نام کُتّا۔ کُتیا۔ یا کوئی ان جیسا بُرا نام رکھنا پسند نہیں کر سکتا تو صحابیٔ رسول حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مُعاویہ کا معنے مذکورہ بالا کر کے مطعون کرنا شرمناک اور قابلِ صد نفرین حرکت ہے:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی زبانی

صحابیٔ رسول کا مقام

حضرت عبداللہ بن مبارک معمولی شخصیت نہیں۔ آپ ایک عظیم مُحدّث و فقیہ ہیں۔ امام بخاریؒ آپ کے شاگردوں ہیں اور سراج الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اساتذۂ کرام میں: حضرت عبداللہ بن مبارک سے کسی نے حضرت معاویہؓ کے بارہ میں پوچھا۔ تو جواب دیا۔ بھلا میں اس شخصیت کے بارہ میں کیا کہوں؟ جس نے حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز پڑھی ہو اور جب حضور علیہ السلام نے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ فرمایا تو انہوں نے جواب میں رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہا ہو (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)

۲۔ انہی سے ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا: فرمائیں حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز میں سے کون افضل ہے؟ سوال میں ایک صحابیٔ رسول (جس پر طرح طرح

کے اعتراضات کئے گئے) اور تابعی حضرت عمر بن عبد العزیز کے درمیان موازنہ کیا گیا تھا: بس یہ سُن کر جلیل القدر تابعی حضرت ابنِ مبارکؒ غصّہ میں بھر گئے اور فرمایا تم صحابیٔ رسول اور تابعی (غیر صحابی) کی نسبت پوچھتے ہو۔ خدا کی قسم وہ گرد و غبار جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کی ناک میں داخل ہوئی (اور دوسری روایت میں ہے جو حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوئی) حضرت عمرؒ بن عبد العزیز سے افضل ہے (چونکہ اس گرد و غبار میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک سانس شامل ہیں) (البدایہ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۹)

برادرانِ اسلام۔ جب نبوّت کی خوشبو پہنچی ہوئی گرد و غبار اور مٹی کی امام بخاریؒ کے عظیم شیخ کے ہاں یہ شان و رفعت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات و صحبت زیارت و فیض سے مشرف حضرات (صحابۂ کرام) کی کیا قدر و قیمت ہوگی۔ اس سے حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہ کا مقام رفیع اور واضح ہو جاتا ہے۔

زبانِ نبوت سے آپ کے لئے قیمتی دعائیں

۱۔ احمد بن المعلّی حدثنا محمود حدثنا عمرو بن عبد الواحد عن سعید عن ربیعۃ ان بعثا من اھل الشام کانوا مرابطین بآمد وان عمیر بن سعد کان علی حمص فغزلہ عثمانؓ وولّی معاویۃ فبلغ ذٰلک اھل حمص فشق علیھم فقال عبد الرحمٰن بن ابی عمیرہ المزنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لمعاویۃ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مھدیًا واھد بہ واھدہ۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۲۶ جلد نمبر ۳)

ترجمہ : سعید حضرت ربیعہ سے نقل کرتے ہیں کہ شامیوں کی فوج آمد شہر کی سرحد پر برائے حفاظت موجود تھی اور عمیر بن سعد ان دنوں حمص پر حاکم تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت معاویہؓ کو حاکم بنایا۔ پس باشندگانِ حمص کو یہ خبر پہنچی تو انہیں (حضرت عمیرؓ کی معزولی اور ان کی جگہ حضرت معاویہؓ کا تقرر) شاق گذرا، پس حضرت عبداللہ بن ابی عمیرہ مزنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہؓ کی بابت فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ اس کو ہادی (رہنمائی کرنے والا) اور مہدی (ہدایت یافتہ) بنا دے: اور اس کے ذریعہ (لوگوں کو) ہدایت دے اور اس کو ہدایت پر قائم رکھ۔

۲۔ جماعه عن معاوية بن صالح عن يونس بن سيف عن الحارث بن زياد عن ابي رهم السماعي عن العرباض سمع النبي صلى الله عليه وسلم وهو يدعو الى السحور في شهر رمضان هلم الى الغداء المبارك ثم سمعته يقول اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ معاوية الكِتٰبَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ (سیر اعلام النبلاء ص۱۲۴۔ البدایہ والنہایۃ ص۱۱۹ جلد ۸)

ترجمہ : ابو رہم سماعی حضرت عرباض رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان شریف میں (معاویہؓ کو سحری کی طرف (یوں بلاتے) سنا کہ آئیے بابرکت کھانا حاضر ہے۔ پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا کہ اے اللہ معاویہؓ کو کتاب (قرآن) اور حساب کا علم عطا فرما اور اس کو عذاب (دوزخ) سے محفوظ فرما۔

۳۔ ابو مسهر وابن عائذ عن صدقة بن خالد عن وحشي بن حوب بن وحشي عن ابيه عن جده قال

اردف النبی صلی اللہ علیہ وسلم معاویۃ خلفہ فقال مایلینی منک قال بطنی یا رسول اللہ قال اللّٰھُمَّ امْلَأْہُ عِلْمًا (زاد فیہ ابو مسہر وحلمًا) (سیر اعلام النبلاء ص۱۲۷)

ترجمہ: صدقہ بن خالد حضرت وحشی سے وہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا۔ پس دریافت فرمایا کہ (اے معاویہؓ) تمہارے جسم کا کونسا حصہ میرے جسم سے متصل ہے؟ حضرت معاویہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ میرا پیٹ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اس کو علم (اور ابو مسہر کے اضافہ کے مطابق) اور حلم (بردباری و حوصلہ) سے بھرپور فرما دے۔

فائدہ: کوئی صاحب ایمان تصور کر سکتا ہے؟ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کی گہرائیوں سے زبان فیض ترجمان پر مچلنے والی دعائیں یونہی رائیگاں گئی ہوں اور رنگ نہ لائی ہوں: بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامل یقین ہے کہ حضرت معاویہؓ کے حق میں وہ پوری ہوئیں۔ اور اب وہ قبر میں ان دعاؤں کی بہاریں لوٹ رہے ہیں اور وہ نعمتیں حاصل کر رہے ہیں کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی فرد بشر کے دل میں کھٹکیں: اس مقام پر بات پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دستِ سوال دراز فرماتے ہوئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہؓ کا لفظ ہی استعمال فرمایا۔ اگر معاویہ کے معنے نامناسب و قبیح ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی یہ لفظ زبان مبارک پر نہ لاتے: اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّہٗ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ

۴۔ ابو ھلال محمد بن سلیم حدثنہ جبلۃ بن عطیہ عن رجل عن مسلمۃ بن خالدٍ انہٗ قال لعمرو بن

العاص ومعاویۃ یأکل ان ابن عمك هذا المخضد وقد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم علمه الکتاب ومکن له فی البلاد اما انی اقول هذا وقه العذاب (سیر اعلام النبلاء ص ۱۲۵ جلد نمبر ۳)

ترجمہ : مسلمہ بن خالد نے حضرت عمرو بن عاص رضؓ سے جبکہ حضرت معاویہ رضؓ کھانا کھا رہے تھے کہا کہ آپ کا یہ بھتیجا بڑا تیز کھاتا ہے بہرحال یہ بات کہہ رہا ہوں جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ اس (معاویہ رضؓ) کو کتاب کا علم عطا فرما اور اس کو مختلف شہروں کی حکومت دے اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔

معاویہ رضؓ قوی و امین ہیں

محمد بن شعیب حدثنا مروان بن جناح عن یونس بن میسرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استاذن ابابکر رضؓ وعمر رضؓ فی امر فقالا اللہ ورسوله - فقال اشیر اعلیّ ثم قال ادعوا معاویۃ فقال احضروه امرکم واشهدوه امرکم فانه قویٌ امین (سیر اعلام النبلاء ص ۱۲۷ جلد نمبر ۳)

ترجمہ : مروان بن جناح حضرت یونس بن میسرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و حضرۃ عمر رضی اللہ عنہما سے ایک پیش آمدہ مسئلہ کے بارہ میں رائے طلب فرمائی۔ دونوں حضرات نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مشکل کے حل کا مجھے کوئی طریقہ بتلاؤ۔ پھر (ذرا توقف کرکے) فرمایا (اچھا) معاویہ رضؓ کو بلاؤ (جب وہ آگئے) تو دونوں حضرات سے فرمایا اپنا معاملہ ان کے سامنے پیش کرو اور اس مسئلہ میں ان کو پاس

رکھو : بیشک یہ قوی بھی ہیں اور امین بھی ۔

۲ ۔ بقیه عن بحیر بن سعد عن خالد بن معدان عن جبیر بن نُفَیْر ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یسیر ومعه جماعة فذکروا الشام فقال رجل کیف نستطیع الشام وفیه الروم ؟ قال ومعاویة فی القوم وبیده عصا فضرب بها کتف معاویة یکفیکم اللہ بهذا ۔ (ایضًا)

ترجمہ : خالد بن معدان حضرت جبیر بن نفیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے جا رہے تھے اور آپ کے ہمراہ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی : کچھ لوگوں نے شام کا تذکرہ کیا ایک آدمی نے کہا ہم شام (کے فتح کرنے) کی کہاں طاقت رکھتے ہیں ۔ اس میں تو رومی قوم ہے (جو بڑی طاقتور ہے) اس جماعت میں حضرت معاویہؓ بھی تھے اور ان کے ہاتھ میں عصا (لاٹھی) تھا : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کے کندھے پر عصا لگاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اسے ہی کافی بنا دیں گے ۔ (قال الذهبی هذا مرسل قویٌّ)

شرعی کوتاہی پر تنبیہی خطبہ

علامہ ابن کثیرؒ سند کے ساتھ یونس بن حلبس کے حوالہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ کو جامع دمشق کے منبر پر جمعہ کے روز یہ فرماتے ہوئے سنا : لوگو ! میری بات سمجھو ۔ تم مجھ سے زیادہ دنیاوی و اخروی کاموں کا عالم ہرگز نہ پاؤ گے : نمازیں اپنے رُخ اور صفیں سیدھی کرنے کا اہتمام کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت

پیدا فرمادیں گے : اپنے بے وقوف لوگوں کے ہاتھوں کو روکو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے دشمن کو مسلط کر دیں گے جو تمہیں سخت سزا دے گا : صدقہ دیا کرو اور کوئی یہ بالکل نہ کہے کہ میں تو قلیل المال ہوں۔ کیونکہ ایسے شخص کا صدقہ غنی کے صدقہ سے افضل ہے (جو باوجود احتیاج وفقر کے بھی دیتا ہے) پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے احتراز کرو اور یہ کہ کوئی یہ کہے کہ ایسا سنا ہے یا مجھے یہ بات پہنچی : اگر کوئی عہدِ نوح علیہ السلام کی عورت پر اتہام باندھے گا قیامت کے روز اس کی بابت بھی پوچھ ہوگی ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۴)

قوتِ برداشت

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ کو ایک شخص نے سخت سُست کہا اور جلی کٹی سنائیں (آپ بالکل خاموش رہے) کسی نے کہا اگر اس پر گرفت فرماتے تو اچھا تھا فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ کہیں میری رعیت کے کسی شخص کے جرم سے میری بردباری (کا دامن) تنگ ہو جائے ۔ امام اصمعیؒ حضرت سفیان ثوریؒ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کا مقولہ ہے کہ مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ کسی کا قصور میرے عفو سے اور کسی کی جہالت میرے حلم سے زیادہ عظیم ہو جائے یا کسی کا پوشیدہ عیب ہو اور میں اس پر پردہ ڈال کر چھپاؤں نہیں ۔ (ایضاً ص ۱۳۵)

قولِ زریں

لوگوں میں افضل شخص وہ ہے جب اسے عطا کیا جائے شکر کرے ۔ اور جب آزمائش آئے صبر کرے ۔ اور جب غصہ آئے ضبط کرے ۔ اور قدرتِ انتقام کے وقت درگذر کرے اور وعدہ کرے تو اسے نبھائے اور جب برائی سرزد ہو تو استغفار کرے ۔

(ایضاً ص ۱۴۱)

ظرافت

حضرت معاویہؓ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ مکان بنانے میں بارہ ہزار شہتیر اور کڑیاں لکڑی کی دیکر میری امداد کریں ؛ فرمایا تمہارا گھر کہاں ہے ؟ کہنے لگا : بصرہ میں ؛ دریافت فرمایا اس کی پیمائش ؟ کہا دو فرسخ ضرب دو فرسخ (ایک فرسخ آٹھ کیلو میٹر کے برابر ہوتا ہے) آپ نے فرمایا پھر یوں نہ کہو میرا گھر بصرہ میں ہے بلکہ یوں کہو کہ پورا بصرہ میرے گھر میں ہے۔ (الضاً ص ۱۴۱)

حضرت کاتبِ وحی نے ایک شخص کی طرف دیکھا جو آپ کے پاس بیٹھا تھا اور آپ اس سے مخاطب تھے اس کے جسم پر ایک چوغہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اس کو گھٹیا تصور کیا (وہ شخص سمجھ گیا) کہنے لگا : امیر المؤمنین : آپ اس چوغہ سے ہم کلام نہیں بلکہ اس سے ہیں جس کے یہ جسم پر ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۱)

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام

۱۔ قاسم بن مُخَیمرہ کہتے ہیں کہ ان سے ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ نے نقل فرمایا کہ میں ایک دفعہ حضرت معاویہؓ کے ہاں گیا تو فرمانے لگے کہ ہم نے تم سے کوئی آسودگی اور خوشحالی نہیں پائی تو میں نے عرض کی (میرے حافظہ کے خزانہ میں) ایک حدیث موجود ہے وہ آپ کو بتلا دیتا ہوں (گویا ان حضرات کے نزدیک احادیث کا مذاکرہ بڑی نعمت متصور ہوتا تھا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے کاموں کی کوئی ذمہ داری تفویض کرے۔ پھر وہ ان کی حاجت و ضرورت اور فقر کے درمیان حائل ہو جائے۔ (انکی حاجات پوری نہ کرے) تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت و ضرورت اور فقر کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں (اسکی ضرورتوں میں کام نہیں آتے) حضرت ابو مریم رضؓ فرماتے ہیں اس حدیث کو سننے کے بعد حضرت معاویہؓ نے لوگوں کی ضروریات معلوم کرنے کیلئے آدمی کی ڈیوٹی لگا دی۔

فرمادیا ۔ (ذکرہ ابن کثیر بالسند ۔ فی البدایۃ والنہایۃ ص۱۲۶ جلد ۸)

۲ ۔ ہمام بن اسماعیل ابوقبیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ ہر روز ایک شخص جس کو ابوالجیش کہا جاتا تھا روانہ فرماتے تھے جو مختلف مجالس پر گھومتا اور پوچھتا کہ کیا کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے یا کوئی وفد آیا ہے؟ جب اسے اطلاع دی جاتی تو رجسٹر میں درج کرلیتا تاکہ وظیفہ جاری ہوجائے (ایضاً ج ۸ ص۱۳۴)

آپکی ذات اصحاب رسول کیلیے ڈھال ہے

حضرت ابوتوبہ ربیع بن نافع الحلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باقی تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی عزت وآبرو کے تحفظ) کے لیے ڈھال ہیں پس جب آدمی اس پردہ کو زائل کر دیتا ہے تو پھر دوسرے حضرات کی آبروریزی پر اتر آتا ہے (البدایہ والنہایۃ ج ۸ ص۱۳۹)

سعید بن مسیبؒ کا فرمان

ابنِ وہب امام مالکؒ کے حوالہ سے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کرتے ہیں: فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیب (جو جلیل القدر تابعی ہیں) سے میں نے صحابۂ کرام کے متعلق سوال کیا: تو فرمایا اے زہری سُن لے: جو شخص اس حال میں مرے کہ حضرت صدیق اکبر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی (رضوان اللہ علیہم) سے محبت رکھتا ہو اور عشرہ مبشرہ کے لیے جنتی ہونے کی شہادت دیتا ہو اور حضرت معاویہؓ کے لیے رحمت کی دعا کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ پر (ازراہِ فضل واحسان) حق ہے کہ اس کا حساب سختی کے ساتھ نہ لے (بلکہ اجمالی طور پر ہی پیشی کے ذریعہ معاف فرمادے) (ایضاً ص۱۳۹)

انگوٹھی کا نقش

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کے نگینہ پر ایک قول کے مطابق: لِکُلِّ عملٍ ثَوَابٌ (ہر عمل کا بدلہ ہے) اور دوسری روایت کے مطابق لاقُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہ کندہ تھا۔ (ایضاً ص۱۳۱)۔

آپ سے مروی چند احادیث

۱۔ حضرت ابو مجلزؒ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ لوگوں کی طرف نکلے تو وہ آپ کے لیے کھڑے ہو گئے: تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خود فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لیے مجسمہ بن کر کھڑے ہوا کریں تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت معاویہؓ ابن عامر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے پس ابن عامرؓ تو کھڑے ہو گئے اور حضرت ابن زبیرؓ بیٹھے رہے: حضرت معاویہؓ نے فرمایا اے ابن عامر بیٹھ جاؤ اور پھر حدیث مذکورہ بالا نقل فرمائی: اس حدیث کو ابوداؤد۔ اور ترمذی نے ذکر کیا ہے بواسطہ حبیب بن شہید: وقال الترمذیؒ حدیثٌ حسنٌ۔

۲۔ ابوداؤد نے سند کے ساتھ راشدین سعد المقری الحمصی کی روایت ذکر کی ہے کہ حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تو لوگوں کے پوشیدہ حالات وعیوب کی چھان بین کرنے کے پیچھے پڑا تو ان کو فساد میں ڈال دے گا (یا فرمایا تھا کہ) قریب ہے کہ تو ان کو فساد میں ڈال دے (راوی کہتے ہیں کہ یہ ایسی کارآمد بات تھی جس کو حضرت معاویہؓ نے سنا اور اس کے ذریعہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نفع عطا کیا (اس حدیث

کے نقل کرنے میں امام احمدؒ متفرد ہیں) علامہ ابن کثیرؒ راوی کے نقل کردہ آخری حصّہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ بہترین سیرۃ خوبصورت عفو اور بہت پردہ پوشی کی صفت کے مالک تھے : رحمۃ اللہ تعالیٰ :

۳۔ اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں سند کے ساتھ حمید بن عبدالرحمٰن کی حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ" جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرمائیں اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتے ہیں۔ میری امت کی ایک جماعت کے ارکان ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہیں گے۔ ان کو وہ شخص کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا جو ان کو چھوڑے گا یا ان کی مخالفت کرے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر (قیامت) آجائے گا اور یہ برابر حق پر ہوں گے۔

دو عبرتناک خواب

۱۔ اسلاف میں سے ایک بزرگ کہتے ہیں ملک شام کی پہاڑی پر سو رہا تھا۔ اچانک ایک غائب شخص کی آواز سُنی جو کہہ رہا تھا کہ جو شخص حضرت صدیق اکبرؓ سے بغض رکھتا ہے وہ زندیق ہے اور جو حضرت عمرؓ سے بغض رکھتا ہے گروہ در گروہ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا اور جو حضرت عثمانؓ سے بغض رکھتا ہے اس کا مدمقابل ربِّ رحمان ہے اور حضرت علیؓ سے بغض رکھنے والے کا مدمقابل اللہ کا نبی ہے اور جو حضرت معاویہؓ سے بغض رکھتا ہے اس کو دوزخ کے فرشتے دہکتی ہوئی جہنم کی طرف کھینچیں گے اور پھر اسے اس کے گڑھے میں پھینک دیا جائے گا۔

۲۔ اسلاف کرام میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپؐ کے پاس چاروں خلفاء اور حضرت معاویہؓ موجود ہیں۔

اتنے میں ایک شخص آیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی (یارسول اللہ) یہ ہماری تنقیص کرتا ہے پھر ایسے محسوس ہوا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جھڑکا: اس نے عرض کی یارسول اللہ میں ان چاروں کی توہین نہیں کرتا لیکن اس کی توہین کرتا ہوں اس کا اشارہ حضرت معاویہؓ کی طرف تھا: تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اس کو فرمایا۔ تیری ہلاکت ہو کیا وہ میرے صحابہ میں سے نہیں ہیں؟ پھر آپؐ نے ایک نیزہ لے کر حضرت معاویہؓ کو دیا کہ اس گستاخ کے حلقوم پر مارو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صاحبِ خواب کہتے ہیں۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا اور جلدی جلدی اپنے گھر کی طرف بڑھا (تو معلوم ہوا کہ) رات فلاں شخص کو ذبح کر دیا گیا اور وہ مر گیا: اس کا نام راشد کندی تھا: (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹/۱۴۰)

چند اعزازات

(ایک نظر میں)

۱۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک اعزاز تو باری تعالیٰ کی طرف سے یہ ملا کہ شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے: اور نبوت کے بعد صحابیت سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں: بڑے سے بڑا ولی۔ شہید۔ قطب کسی صحابی کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا: یہ اعزاز خدا ہی دے تو ملتا ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی اس جماعت کے اہم رکن ہیں جن کو آپ نے وحی قرآنی کی کتابت کی اہم ذمہ داری سونپی تھی: اسی وجہ سے آپ کو کاتبِ وحی کے اہم لقب سے یاد کیا جاتا ہے: علامہ ابن حزم ظاہریؒ اپنی کتاب: جَوَامِعُ السِّیرۃ ص ۲۷ میں نقل کرتے ہیں کہ کاتبین وحی میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سب سے زیادہ حاضر

باش حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے : ان کے بعد (اپنے دور میں) جناب معاویہ رضی اللہ عنہ : یہ دونوں حضرات بارگاہِ رسالت سے ملازمت رکھتے تھے اور وحی کے علاوہ بارگاہِ رسالت سے جو خطوط و فرامین جاری ہوتے انھیں بھی تحریر کرتے تھے ۔ حضرت علامہ شمس الدین ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء صـ ۱۲۲/۱۲۳ جلد ۳ پر تحریر کرتے ہیں ۔

ونقل المفضل الغلابی عن ابی الحسن الکوفی قال کان زید بن ثابت کاتب الوحی وکان معاویۃ کاتبًا فیما بین النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم وبین العرب ۔

ترجمہ : حضرت مفضل غلابیؒ حضرت ابوالحسن کوفیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان خطوط و مراسلات کی کتابت پر مامور تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے درمیان جاری ہوتے تھے ۔

۲ ۔ عمرو بن مرۃ عن عبد اللہ بن الحارث عن زھیر بن الاقمر عن عبد اللہ بن عمرو قال کان معاویۃ یکتب لرسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ترجمہ : زہیر بن اقمر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ رسول اللہ علیہ وسلم کے لیے کاتب کے فرائض سرانجام دیتے تھے ۔

۳ ۔ ابو عوانۃ عن ابی حمزۃ عن ابن عباس قال کنتُ العب مع الغلمان فدعانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ادع لی معاویۃ وکان یکتب الوحی ۔

ترجمہ : ابوحمزہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت

کرتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا۔ اور فرمایا کہ معاویہؓ کو بلا کے لاؤ: ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ وُہ وحیِ قرآنی کی کتابت کرتے ہیں۔ (اور اسی ضرورت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو یاد فرمایا تھا) الشفاء ملقاضی عیاض جلد نمبر ۳ ص ۲۳۶ پر مذکور ہے۔

(وقوله فی الحدیث الاخر الذی یروی عن معاویه انه کان یکتب بین یدیه فقال له الق الدّواة وحرف القلم واقم الباء وفرق السین ولا تعور المیم وحسن الله ومد الرحمٰن وجود الرحیم)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ایک دوسری حدیث میں حضرت معاویہؓ سے یوں مروی ہے کہ میں آپؐ کی مجلس میں کتابتِ (وحی) کا کام کرتا تھا تو آپ نے فرمایا (اے معاویہؓ) سیاہی کی دوات درست رکھا کر اور قلم کے قط کے دائیں حصّہ کو بائیں سے زیادہ رکھ (کیونکہ یہ کتابت کی تیزی اور لطافت کے لیے مددگار ہے اور (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں) باء کو قدرے طویل کر (کیونکہ یہ اسم کے الف کے عوض ہے) اور سین کے دندانے ایک دوسرے سے ممتاز کر اور میم میں کجی پیدا نہ کر (کہ اس کا دائرہ بدزیب لگے) اور لفظ اللہ کو حسین بنا دے اور رحمٰن (کی میم اور نون کے درمیان درازی پیدا کر دے (جو دونوں کے درمیان الف کے وجود کا پتہ دے) اور رحیم کو عمدہ بنا دے۔

علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ روایت مذکورہ میں حضرت معاویہؓ کے متعلق لکھتے ہیں۔

اَحَد کتبۃ صلی اللہ علیہ وسلم: کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے ایک ہیں: مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وحیِ قرآنی اور خطوط و مراسلات نبویہ دونوں کی کتابت پر مامور تھے اور موقع بموقع اپنا فریضہ سرانجام

دیتے تھے۔

البدایہ والنہایہ ص ۱۱۷ ج ۸ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب کرنے کے بعد علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے وکاتب وحی رب العلمین (آپ پروردگار عالم کی وحی کے کاتب تھے) اور ص ۱۱۹ پر ہے ان معاویۃ کان من جملۃ الکتاب بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذین یکتبون الوحی (آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کاتبوں کی جماعت کے ایک رکن ہیں جو وحی لکھا کرتے تھے: لہذا شیعی ذاکرین ومجتہدین کا یہ کہنا بالکل جھوٹ ہے کہ آپ وحیِ قرآنی کے کاتب تو بالکل نہ تھے: ثانیاً۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ آپ نبوت کے مکاتیب وخطوط کے ہی کاتب تھے۔ تب کونسا یہ کوئی معمولی شرف ہے کہ جس کو یوں حقارت کے انداز میں ذکر کیا جائے۔

۳۔ امام نووی رحمہ اللہ شارح مسلم اور علامہ ابن حزم ظاہری کی تصریح کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سو ترسٹھ ۱۶۳ احادیث مروی ہیں۔

۴۔ آپ سے احادیث روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عباس انس بن مالک۔ معاویہ بن خدیج۔ عبداللہ بن زبیر۔ ابوسعید خدری اور سائب بن یزید۔ نعمان بن بشیر جریر بن عبداللہ بجلی۔ عروہ بن زبیر۔ محمد بن سیرین سعید بن المسیب۔ علقمہ بن وقاص، ابوادریس خولانی۔ عطیہ بن قیس اور ابوصالح السمان۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمن۔ سعید مقبری، خالد بن معدان ہمام بن منبہ۔ عبداللہ بن عامر المقرئ۔ قاسم ابوعبدالرحمن۔ عمیر بن ہانی عبادہ بن نسی۔ سالم بن عبداللہ۔ والد عمرو بن شعیب جیسے صحابہ کرام وتابعین عظام شامل ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین)

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی قرآنی اور مکتوبات ومراسلات کی تحریر کے لیے آپ کو منتخب فرمانا اور حضرات صحابہ وتابعین عظام کا آپ سے احادیث نقل کرنا آپ پر مکمل اعتماد اور آپ کی دیانت وامانت۔ اخلاص وایمان اور ثقاہت وقابلیت کی بڑی سند ہے۔

۵ ۔ تاریخ اسلام میں آپ ہی وہ شخصیت ہیں جن کے سر بحری بیڑا ایجاد کرنے کا سہرا ہے : گو آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان سے اصرار کے ساتھ بحری جہاد کی اجازت حاصل کرنا چاہی تھی : اور اپنا مدعا یوں عرض کیا تھا کہ امیر المومنین سلطنتِ روم کی سرحد حمص کی مملکت کے اس قدر قریب ہے کہ اس مملکت کی ایک بستی کے باشندوں کو تو روم کے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کے اذان دینے کی آواز بھی سنائی دیتی ہے : لہٰذا اسلامی مملکت کے استحکام کے لیے رومی مقبوضات پر حملہ ناگزیر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے جو بحری سفر کے نفع وضرر کو خوب جانتے تھے رائے طلب کی : حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تحریراً عرض کیا کہ بحری سفر میں ایک عظیم مخلوق (سمندر) پر ننھی سی مخلوق (بحری بیڑا) اس طرح سوار ہوتی ہے کہ اوپر آسمان اور نیچے پانی ہی پانی نظر آتا ہے : سمندر کی پشت پر سوار لوگوں کی حالت ایسے ہوتی ہے جیسے سطح آب پر تیرنے والی لکڑی پر کیڑا اِنْ مَالَ غَرِقَ وَاِنْ نَجَا بَرِقَ : کہ اگر لکڑی ذرا پلٹا کھائے کیڑا ڈوب جاتا ہے اور سلامتی سے اگر کنارے لگ گیا تب بھی ہراساں وحیران تو رہتا ہی ہے : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب پڑھا تو مسلمانوں کی حفاظت جان کی اہمیت اور بحری سفر کے کٹھن ہونے کے پیش نظر فرمایا : "لا والذی بعث محمدًا (صلی اللہ علیہ وسلم) بالحق لا احمل فیہ مسلمًا ابدًا" قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں ہرگز کسی مسلمان کو بحری سفر کی زحمت نہ دوں گا : مزید لکھا فایاك ان تعرض لی وقد تقدمت الیك " پس اے معاویہؓ آئندہ مجھ سے یہ درخواست کرنے سے گریز کرنا جبکہ اس سے قبل بھی میں کہہ چکا ہوں" طبری ص ۳۱۶ جلد سوم بحوالہ سیرت ذوالنورینؓ) گو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات میں اس کی اجازت نہ دی ۔ مگر حضرت معاویہؓ کے دل میں یہ خواہش بدستور مچلتی رہی تا آنکہ

خلیفۂ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔ ان کے سامنے بھی باصرار اس کی اجازت ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بالآخر حضرت عثمانؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کی آرزو کا احترام کرتے ہوئے اس شرط پر اجازت دے دی کہ نہ تو تم بحری سفر جہاد کے لیے خود مجاہدین کا انتخاب کروگے اور نہ ہی قرعہ میں نام نکل آنے کی بنیاد پر کسی کو مجبور کروگے لوگوں کو اختیار دے دو۔ جو اپنی مرضی سے جانا چاہے جائے حضرت معاویہؓ نے یہ شرائط بخوشی قبول کرلی : دراصل اس پُراصرار درخواست میں حکمت یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ بڑے مدبر و زیرک انسان تھے۔ آپ کی دوراندیشی اس بات کی شدید متقاضی رہی کہ ایشیا سے نکل کر یورپ اور افریقہ کو اسلام کے زیرنگیں لایا جائے تاکہ اشاعت اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو یورپ و افریقہ پر حملہ اور روم کی غیر اسلامی سلطنت کی شوکت وسطوت کو پاؤں تلے روندنے کے لیے بحری بیڑا تیار کرکے بحری جہاد ضروری تھا۔ بہرکیف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلا اسلامی بحری بیڑا بحر روم میں اتار کر سب سے پہلے ساحل شام کے نزدیک بحر ابیض میں ایک نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ قبرس (سائپرس) (جس کا رقبہ ۳۰۲۶ مربع میل ہے) پر حملہ کیا۔ اہل قبرس نے سات ہزار سالانہ دینار پر صلح کرلی۔ مگر ۳۲ھ میں پھر مسلمانوں کے خلاف رومیوں کی مدد کی۔ حضرت کاتبِ وحی نے ۳۳ھ میں پھر پانچ سو جہازوں کے عظیم الشان سامان کے ساتھ قبرس فتح کرلیا اور بارہ ہزار مسلمانوں کی ایک نوآبادی قائم کردی : بعلبک کے بہت سے مسلمان بھی نقلِ مکانی کرکے یہاں چلے آئے اور اس طرح ایک بڑا شہر آباد ہوگیا۔ اور مساجد تعمیر کیں ، اس جہاد میں مصری فوج لاکر حضرت عبداللہ بن ابی سرح بھی حضرت معاویہؓ کے زیر کمان لڑے ۔ اسلام کی تاریخ میں بحری بیڑا تیار کرکے جزیرہ قبرس پر فتح پانا جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اعزاز ہے وہاں عظیم سعادت بھی ہے۔ کیونکہ بخاری شریف کتاب الجہاد میں حضرت اُمِ حرام رضی اللہ عنہا سے روایت

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اول جیش من امتی یغزون البحر قد اَوْجبوا قلت یا رسول اللہ انا فیھم قال انت فیھم : میری امت میں سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا : اس نے اپنے اوپر جنّت واجب کرلی ہے؛ حضرت اُمِّ حرام رضؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (آپ دعا فرما دیتے کہ) میں اس کے شرکا میں ہو جاؤں : فرمایا تو انھیں میں شامل ہے : اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کے مطابق جنتی ہیں : چونکہ اس لشکر کے سپہ سالار تھے :

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

۶ ۔ جب حدودِ حرم شریف مٹنے لگی ۔ آپ نے ہی والیٔ مدینہ کو حکم دیا کہ صحابیٔ رسول حضرت کُرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ کی ہدایات کی روشنی میں ان کو از سرِ نو متعین کر کے پائیدار علامات لگائی جائیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔

۷ ۔ آپ عرب کے ان گنے چنے افراد میں شمار ہوتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں بھی علم وفن سے آشنا تھے اور حساب وکتاب جانتے تھے ۔

۸ ۔ اسلام کے ساتھ فطری طور پر دل کی چسپیدگی کا ہی اثر تھا کہ بدر اور خندق اور حدیبیہ وغیرہ میں آپ مسلمانوں کے خلاف شریک جنگ نظر نہیں آتے ؛ جبکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ آپ کے والد اپنے زمانۂ کفر میں سپہ سالار کی حیثیت سے کفر کی حمایت میں لڑتے رہے :

۹ ۔ بیت اللہ شریف کی دیکھ بھال اور خدمت کے لیے متعدد غلاموں کی ڈیوٹی لگائی اور خانہ کعبہ پر دیبا وحریر (بہترین ریشم) کے غلاف چڑھانے کا آغاز فرمایا ۔

۱۰ ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد چن چن کر ان تمام مفسدین سبائیوں اور خارجیوں کا قلع قمع فرمایا ۔ جنہوں نے اہل بیت کی محبت کا لبادہ اوڑھ کر ابن سبا کی

تحریک کو پروان چڑھایا اور خلفائے راشدین ثلثہ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے خلاف بالخصوص اور دیگر صحابہ کرام کے خلاف بالعموم نفرت و عداوت کا بیج بویا) اور ان پر ایسی ضرب کاری لگائی کہ درد و الم کے مارے آج تک یہ عنصر کراہ رہا ہے: اور کاتب وحی حضرت معاویہؓ کا نام سنتے ہی آگ بگولہ ہو کر پاگلوں کی طرح خرافات بکنے لگتا ہے: اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ مُعَاوِیَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَاتِہٖ وَاَھْلِكَ اَعْدَاءَہٗ۔

توشۂ قبر

کتنے سعید تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے مذہب اسلام کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب چیزیں اور آپؐ کے جسم اطہر کے بال اور ناخن بھی جواہرات کی طرح سنبھال کر رکھے تھے: کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ کس مصرف میں آئیں گے مگر حضرت نے جب آخری وصیت فرمائی تب یہ عقدہ کھلا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کے لیے سرمایہ تھا۔ جسے بڑے اہتمام سے اکٹھا فرمایا تھا: چنانچہ وصیت فرمائی کہ مجھے کوئی عاقل و فہیم آدمی غسل دے اور اچھی طرح (سنت کے مطابق) غسل دے: پھر بیٹے سے فرمایا:

کنت اوضئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنزع قمیصہ وکانیہ فرفعتہ وخبأت قلامہ اظفارہ فاذا مت فالبسونی القمیص علی جلدی واجعلوا القلامۃ مسحوقۃ فی عینیّ فعسی اللہ ان یرحمنی ببرکتھا۔

(سیر اعلام النبلاء ص۱۶۰ بروایت عبد الاعلی عن ابیہ میمون بن مہران)

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہا تھا تو آپؐ نے از راہ عنایت اپنا قمیص اتارا اور مجھے پہنا دیا۔ میں نے اسے سنبھال لیا تھا اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخنوں کا تراشہ بھی (اور الاستیعاب کی روایت میں بالوں کا اضافہ بھی) اکٹھا کر رکھا ہے جب

میری موت آجائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص میرے جسم پر پہنا دینا اور ناخنوں کا تراشہ پیس کر میری آنکھوں (اور منہ ناک وغیرہ) میں ڈال دینا مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مجھ پر رحمت فرمائیں گے۔

قال ابو عمرو بن العلاء لما احتضر معاویۃ قیل لہ الا توصی۔ فقال اللّٰھُمَّ اقل العثرہ واعف عن وتجاوز بحلمك عن جھل من لم یرج غیرك فما وراءك منذھب وقال: ھو الموت لا منجی مِنَ الموتِ والَّذِی: نُحَاذِرُ بَعْدَ الموتِ اَدْھٰی وافظعُ: (ایضاً)

ترجمہ: ابو عمرو بن علاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاویہؓ کا آخری وقت قریب ہوا تو آپ سے کہا گیا کیا آپ کوئی (مزید) وصیت نہیں فرماتے؟ پس آپ نے جواباً (بطور دعا) فرمایا اے اللہ کوتاہیاں ساقط فرما۔ لغزشیں معاف فرما اور اپنے حلم کے ساتھ اس شخص کی جہالت سے درگذر فرما جس نے امیدیں تجھ سے ہی وابستہ رکھیں: پس تیرے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں: اور یہ شعر پڑھا: جس کا ترجمہ ہے) موت تو ایسی چیز ہے جس سے مفر نہیں ہے اور اس کے بعد جو خطرات ہیں وہ تو اور بھی زیادہ وحشت ناک اور گھبراہٹ میں ڈالنے والے ہیں۔

وفات

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۲ رجب ۶۰ھ کو ہوئی علامہ ابن اثیر رح اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ص۳۸۷ جلد نمبر۴ پر تحریر کرتے ہیں والاصح فی وفاتہ انھا سنۃ ستین: کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی وفات ساٹھ ہجری میں ہوئی: اس

وقت حضرت کی عمر اٹھترؔ برس تھی : نماز جنازہ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور دمشق کے بابُ الصغیر میں آپ دفن کیے گئے ۔

زمانِ حکومت

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ اسد الغابۃ ص۳۸۷ جلد نمبر۴ پر تحریر کرتے ہیں :

فبقی خلیفۃ عشرین سنۃً وامیرًا عشرین سنۃً لانہ ولی دمشق اربع سنین من خلافۃ عمر وانثنی عشرۃ سنۃً خلافۃ عثمان مع ما اضاف الیہ من باقی الشام واربع سنین تقریبًا ایام خلافۃ علی وستۃ اشہر خلافۃ الحسن وسلّم الحسن الیہ الخلافۃ سنۃ احدی واربعین وقبل سنۃ اربعین والاول اصح"

ترجمہ : حضرت معاویہؓ (کم وبیش) بیس سال خلیفہ رہے اور بیس سال امیر : کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں چار سال آپ دمشق کے والی رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام کے دوسرے حصّوں کے اضافہ کے ساتھ بارہ سال اور خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ میں تقریبًا چار سال اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت میں چھ ماہ : اور حضرت حسنؓ نے صحیح قول کے مطابق ۴۱ھ میں خلافت آپ کے سپرد کی (بہر حال تقریبًا چالیس سال آپ کا دور حکومت ہے) ۔

صحابۂ کرام کی نظر میں آپ کا مقام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بار حضرت معاویہؓ کی برائی گئی تو فاروق اعظمؓ

نے فرمایا قریش کے اس جوان کی برائی مت کرو جو غصہ کے وقت مسکراتا ہے (حوصلہ مند ہے) اور جو کچھ اس کے پاس ہے اسے اس کی رضامندی کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا اور اس کے سر پر کی چیز کو حاصل کرنا چاہو تو اس کے قدموں پر جھکنا پڑے گا (غیرت مند اور دلیر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ (بحوالہ البدایہ والنہایہ ص ۱۲۴ ج ۸ استیعاب لابن عبدالبر)

حضرت فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے کہ تم قیصر و کسریٰ اور ان کے علم و دانش کے گن گاتے ہو حالانکہ خود تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔ (جو ان سے بہتر صلاحیتوں کے مالک ہیں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب جنگ صفین سے واپس ہوئے تو ارشاد فرمایا: اے لوگو تم معاویہؓ کی گورنری و اقتدار کو ناپسند مت کرو۔ کیونکہ تم نے اگر ان کو گم کر دیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے۔ جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے گرتا ہے (البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ جلد نمبر ۸ ص ۱۳۱) وسیر اعلام النبلاء ج ۳ ص

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک فقہی مسئلہ میں حضرت معاویہؓ کی شکایت کی گئی تو فرمایا اِنَّهٗ فَقِيْهٌ : یقیناً معاویہ ایک بڑے فقیہ ہیں (بحوالہ البدایہ ص ۱۲۳ ج ۸) اور دوسری روایت کے مطابق ارشاد فرمایا کہ۔ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ (صحابی) ہیں ان پر اعتراض کرنا زیب نہیں دیتا۔ (البدایہ والنہایہ جلد نمبر ۸ ص ۱۲۲)۔

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمرؓ نے ان کو حمص کی گورنری سے معزول کر کے حضرت معاویہؓ کو ان کی جگہ مقرر فرمایا اور لوگوں نے حضرت معاویہؓ کے بارہ میں چہ میگوئیاں شروع کیں۔ فرمایا کہ: معاویہؓ کا ذکر بھلائی کے ساتھ ہی کیا کرو۔ کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ معاویہؓ کے ذریعہ (لوگوں کی ہدایت کا سامان پیدا فرما۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت معاویہؓ سے

بڑھ کر سرداری کے لائق اور کوئی شخص نہیں دیکھا (البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۸ ص ۱۳۵)

عشرہ مبشرہ میں سے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کو حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنیوالا نہیں پایا۔ (بحوالہ البدایہ والنہایہ ۔ وسیر اعلام النبلاء ص ۱۵۰ جلد نمبر ۳)

حضرت قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو معاویہؓ سے زیادہ بردبار ان سے بڑھ کر سرداری کے لائق ان سے زیادہ باوقار ان سے زیادہ نرم دل اور نیکی میں ان سے زیادہ کشادہ دست ہو (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۵ ج ۸)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ صلح کے بعد جب مدینہ شریف لائے تو ایک شخص نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے پر آپ کو بُرا بھلا کہا تو فرزند حضرت علیؓ نے فرمایا: ایسی بات مت کہو۔ کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ رات اور دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک معاویہؓ حکمرانی نہ کریں گے۔ (البدایہ والنہار جلد نمبر ۸ ص ۱۳۱ ۔ وسیر اعلام النبلاء ص ۱۴۷ جلد نمبر ۳)

تابعین کرام کی نظر میں

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور خلافت میں کبھی کسی کو کوڑوں کی سزا نہیں دی مگر جب ایک شخص نے حضرت امیر معاویہؓ پر زبانِ طعن دراز کی، تو آپ نے اس پر کوڑے برسانے کا حکم دیا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب) البدایہ والنہایہ جلد نمبر ۸ ص ۱۳۹۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے حضرت معاویہؓ کے بارہ میں پوچھا تو جواب ارشاد فرمایا۔ بھلا اس شخصیت کے بارہ میں میں کیا کہوں۔ جس نے حضرت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہوں۔ اور جب حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فرمایا تو انہوں نے جواب میں رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہا ہو۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹ ج ۸)

حضرت معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس قسم کا سوال کیا گیا تو غضبناک ہو گئے اور فرمایا بھلا تابعی (مراد حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں) کسی صحابی کے برابر ہو سکتا ہے؟ حضرت معاویہؓ نبی اکرم کے صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور وحی الٰہی کے کاتب و امین ہیں۔ بھلا ان کے مقام کو کوئی تابعی کیسے پہنچ سکتا ہے اور پھر ایک حدیثِ رسول سنائی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے میرے صحابہ اور رشتہ داروں کو بُرا بھلا کہا اُس پر اللہ کی لعنت ہو (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹ ج ۸)

حضرت اَحنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے جو عرب میں بہت حلیم اور حوصلہ مند مشہور ہیں پوچھا گیا کہ بُردبار کون ہے آپ یا معاویہؓ؟ آپ نے فرمایا بخدا میں نے تم سے زیادہ جاہل نہیں دیکھا۔ حضرت معاویہؓ قدرت رکھتے ہوئے حلم اور تحمّل سے کام لیتے ہیں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بُردباری کرتا ہوں۔ لہٰذا میں ان کے برابر یا ان سے کیسے بڑھ سکتا ہوں۔ (طبری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز

سعید بن عبد العزیز عن اسماعیل بن عبد اللہ عن قیس بن الحارث عن الصنابحی عن ابی الدرداء قال ما رأیتُ اشبہ صلوٰۃً بوسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امیرکم ھذا یعنی معاویۃ۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۳۵ ج ۳)

ترجمہ: حضرت ابو عبد اللہ عبد الرحمٰن بن عسیلہ مرادی صنابحی رحمۃ اللہ علیہ (جو تابعین کرام میں سے ہیں) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل

کرتے ہیں کہ میں نے تمہارے امیر (مراد حضرت معاویہؓ ہیں) سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے کوئی نہیں دیکھا۔

بلند حوصلہ

الاصمع حدثنا ابن عون قال کان الرجل یقول لمعاویۃ واللہ لتستقیمنّ بنا یا معاویۃ او لنُقَوِّمنّک فیقول بماذا؟ فیقولون یا لخشب فیقول اذا استقیم۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۱۳۵ ج ۳)

ترجمہ: اصمعی فرماتے ہیں کہ ہمیں ابن عون نے بیان کیا کہ حضرت معاویہؓ کو کوئی بھی آدمی کہہ دیتا تھا۔ اے معاویہؓ ہمارے ساتھ ٹھیک رہنا ورنہ خدا کی قسم ہم تجھے سیدھا کر دیں گے: تو آپ فرماتے کس چیز سے؟ وہ کہتا کہ چمکدار تلواروں سے: آپ فرماتے پھر تو میں درست ہی رہوں گا۔

برسرِ منبر ٹوکنے والے کا اعزاز و اکرام

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار خطبۂ جمعہ دیا اور فرمایا کہ مالِ غنیمت اور مالِ فے کے ہم (حکمران) مالک ہیں۔ اس میں جیسے چاہیں تصرف کریں۔ جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں محروم کریں (سب ہماری مرضی پر منحصر ہے) سب حاضرین نے یہ سُن کر خاموشی اختیار کی۔ دوسرے جمعہ پھر یہی بات دہرائی۔ مگر مجمع پر سنّاٹا طاری رہا جب تیسرے جمعہ یہ بات فرمائی تو ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا ہم آپ کی یہ بات ہرگز نہیں مان سکتے۔ مالِ غنیمت اور مالِ فَے پوری قوم کا ہے۔ جو شخص ہمارے اور اس مال کے درمیان حائل ہوگا۔ ہم اپنی تلوار سے اس کا فیصلہ کریں گے نماز سے فراغت کے بعد حضرت معاویہؓ

نے اپنے قاصد کے ذریعہ اسے بلایا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ اب اس کی خیر نہیں۔ یہ برسرِ منبر ٹوکنے کی سزا پاکر رہے گا: یہ شخص حاضر ہوا تو حضرت معاویہؓ نے اس کو اپنے برابر مسند پر جگہ دی۔ تھوڑی دیر بعد اور لوگ بھی آگئے اُس شخص کو آپ کے برابر مسند پر بیٹھا ہوا دیکھ کر ششدر رہ گئے حضرت معاویہؓ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ (یہ شخص تو میرا محسن ہے) اس نے مجھے ہلاک ہونے سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ اسے سلامت باکرامت رکھے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے کہ الٹی سیدھی جو بات کریں گے (ان کے ظلم و جور بنا پر) کسی کو ٹوکنے کی جرأت نہ ہوگی۔ یہ جہنم میں ایسے گھسیں گے جیسے کسی جگہ گھستے ہیں مجھے یہ اندیشہ رہا کہ کہیں میں تو اس کا مصداق نہیں ہوں؟ اس لیے بطور امتحان برسرِ منبر خطبۂ جمعہ کے موقع پر میں نے وہ بات کہی تھی: دو جمعہ حاضرین کی طرف سے سکوت دیکھ کر مجھے یہ فکر ہو رہا تھا کہ میں ایسے حکمرانوں کا مصداق ہوں مگر تیسرے جمعہ اس شخص کے ٹوکنے سے یہ اندیشہ جاتا رہا۔ اس نے تو مجھے ہلاکت سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو زندگی عطا کرے۔ (بحوالہ طبرانی)

روافض اور ان کے ہم نوا سُنّی کہلانے والے حضرات جو حضرت معاویہ رضی اللہ علیہ کی عظیم شخصیت کو ایک ڈکٹیٹر (آمر) کی حیثیت میں پیش کرتے ہیں انھیں ان تاریخی روایات کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جس حاکم کی عدالت کا یہ ماحول ہو کہ اِدھر اس کی منشا کے خلاف کسی کے منہ سے کوئی بات نکلی اور اُدھر موت کی تلوار سر پر لٹکی وہاں کیا کوئی شخص یوں برملا ٹوکنے کا حوصلہ کر سکتا ہے؟ یہ فضا تو مُنصف و عادل حکمران کے دربار میں ہی ہو سکتی ہے۔ اس قسم کے واقعات عہدِ شیخین میں بکثرت ملتے ہیں اور کاتبِ وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی یہ انھیں حضرات کا پرتو تھا: کہ بڑی بلند حوصلگی سے تنقید برداشت فرماتے تھے۔

آپکی قبر مبارک کی تازہ ترین صورتِ حال

اپنے تازہ سفرنامہ "اُحد سے قایسیلون تک" میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ تحریر کرتے ہیں:

چنانچہ ان کی معیّت میں پہلے ہم نے جامع دمشق اور سوق الحمیدیہ کے آس پاس کچھ خریداری کی۔ شام کی قدیم طرز کی مٹھائیاں یہاں کی خاص چیز ہیں، جو خشک میوے سے مختلف طریقوں سے بنائی جاتی ہیں، وہ لی گئیں۔ اسی دوران ہمارے رہنما نے بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مزار بھی اسی علاقے میں ایک مکان کے اندر واقع ہے، چنانچہ وہ ہمیں کئی پیچ در پیچ گلیوں سے گذارتے ہوئے ایک پرانے طرز کے بوسیدہ مکان کے پاس لے گئے۔ دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک عمر رسیدہ خاتون نے جواب دیا۔ ہمارے رہنما نے ان سے کہا کہ پاکستان سے کچھ لوگ آئے ہیں اور مزار کی زیارت کرنا چاہتے ہیں، لیکن خاتون نے جواب دیا کہ اس کے لیے محکمۂ اوقاف سے اجازت نامہ لانا ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ اس مزار کو حکومت نے عام زیارت کے لیے بند کر رکھا ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بعض روافض یہاں آکر شرارت اور مزار کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتے تھے لہٰذا محکمۂ اوقاف نے یہ پابندی لگادی ہے کہ اجازت نامے کے بغیر کسی کو اندر نہ بھیجا جائے۔

لیکن ہمارے ساتھ پاکستانی سفارت خانے کے عنایت صاحب بھی تھے انہوں نے اور ہمارے رہنما نے مل کر خاتون کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور احقر کا تعارف کرایا، اس پر خاتون نے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

یہ ایک پرانے طرز کا مکان تھا جس کے لمبوترے صحن سے گذر کر ایک بڑا سا کمرہ نظر آیا جس میں چند قبریں بنی ہوئی تھیں، ان میں سے ایک قبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی بتائی

جاتی ہے۔ یہاں سلام عرض کرنے کی توفیق ہوئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیاسی موقف چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھا اور جمہور اہلِ سنّت کے نزدیک حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا، اس لیے ان کے مخالفین بالخصوص روافض کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مِل گیا اور ان کے خلاف الزامات و اتہامات کا ایک طومار لگا دیا گیا جس میں ان کے فضائل و مناقب چھُپ کر رہ گئے۔ ورنہ وہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتبِ وحی اور ایسے اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے کہ آج ان کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا، اسی لیے جب حضرت عبداللہ بن مُبارکؒ سے پوچھا گیا کہ "حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ"، تو آپ نے جواب دیا کہ: "حضرت معاویہؓ کی ناک کی خاک بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے"۔ احقر نے ان کے خلاف لگائے گئے الزامات پر اپنی کتاب "حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور میرے برادر زادہ عزیز و گرامی مولانا محمود اشرف عثمانی نے حضرت معاویہؓ کی سیرت اور مناقب پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے جو اسی کتاب کے ساتھ شائع ہُوا ہے۔

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے

ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز تہجد قضا ہو گئی۔ بڑا صدمہ ہوا۔ بارگاہ ایزدی میں خوب گریہ وزاری کی اور استغفار فرمایا۔ دوسری رات عبادت کرتے کرتے نیند آگئی بس جونہی نماز تہجد کا وقت ہوا۔ کسی نے جگا دیا۔ بیدار ہوئے پاس کھڑے ہوئے شخص سے دریافت کیا آپ کون؟ جواب ملا: ابلیس ہوں فرمایا تیرا تہجد جیسے عمل صالح کے لیے اٹھانے سے کیا واسطہ؟ کہنے لگا دراصل بات یہ ہے کہ گذشتہ رات نماز تہجد کے قضا ہونے پر آپ جو گڑگڑائے اور گریہ وزاری کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو پہلے کی بہ نسبت دوگنا اجر عطا ہوا۔ جو میرے لیے بڑا شاق ہے اس لیے میں نے وقت پر جگا دیا تاکہ اجر ایک گنا ہی ملے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا واقعی اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اس واقعہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ شیطان کبھی خیر خواہی کی شکل میں بھی دشمنی کا اظہار کرتا ہے۔

خشیۃ الٰہی

ایک ریاکار عالم۔ دولت مند اور شہید کے دوزخ میں دھکیل دیئے جانے کے متعلق مشہور حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سن کر ایک تابعی نے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنائی تو حالت غیر ہو گئی اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی لوگوں کو آپ کی جان کا بھی خطرہ لاحق ہو گیا بڑی دیر کے بعد حالت درست ہوئی تو فرمایا (صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک نے سچ فرمایا) پھر سورۃ ہود پ ۱۲ کی دو آیتیں تلاوت کیں جن کا مفہوم یہ ہے: جو کوئی اپنے اعمال سے دنیا اور اس کی زینت چاہے گا۔ اس کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دنیا میں (ہی) ہم دیں گے اور اس میں کوئی

کمی نہ کی جائے گی اوران کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا اور جو عمل انہوں نے کیئے تھے وہ سب ضائع ہو جائیں گے (مجالس ابرار ص۱۶۱ حصہ دوم مطبوعہ کراچی)

ایک دفعہ آپ کو تکلیف پہنچی تو یہ دعا پڑھ کر حمد باری تعالیٰ کی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یُذْهِبِ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہماری سماعت (سننے کی قوت) اور بصارت (دیکھنے کی قوت) سلب نہیں فرمائی (اور اس سے کم درجہ کی تکلیف میں مُبتلا کیا۔ (بحوالہ بالا ص۴۳)

قولِ کاتبِ وحی

علامہ ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص۱۵۳ پر تحریر کرتے ہیں:

ویروٰی عن معاویۃ قال انی لا رفع نفسی ان یکون ذنب اوزن من حلمی۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں اپنے آپ کو اس سے بالاتر رکھتا ہوں کہ میری کوئی کوتاہی میرے حِلم سے زیادہ وزنی ہو جائے۔

سادگی

ھشام بن عمار حدثنا عمرو بن واقد عن یونس بن حلبس قال رأیتُ معاویۃ فی سوق دمشق علی بغلۃ خلفہ وصیف اردفہ علیہ قمیص مرقوع الجیب۔

(سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص۱۵۲)

ترجمہ: عمرو بن واقد جناب یونس بن حلبس سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں خچر پر سوار دیکھا آپ کے پیچھے ایک

خادم سوار تھا اور آپ کے بدن پر گریبان پھٹی ہوئی قمیص تھی۔

رعایا پر کنٹرول کا راز

عن ابن عباس (رضی اللہ عنہ) قال علمتُ بما کان معاویۃ یغلب النّاس کان اذا طاروا وقع واذا وقعوا طار۔

(سیر اعلام النبلاء ص۱۵۴ ج۳ ۔ البدایہ والنہایہ ص۱۳۶ ج۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں وہ (حکمت عملی) جانتا ہوں جس سے حضرت معاویہؓ رعایا پر غالب رہتے تھے (وہ یہ ہے) جب رعیت کے لوگ پرواز کرتے تھے آپ زمین پر اتر پڑتے تھے اور جب لوگ زمین پر اتر پڑتے تو آپ پرواز شروع کر دیتے۔

بعد کے حکمران مجھ سے بہتر نہ ہونگے

المدائنی عن ابی عبید اللہ عن عبادہ بن نُسَیّ قال خطب معاویہ فقال انی من زرع قد استحصد وقد طالت امرتی علیکم حتّٰی مللتکم و مللتمونی ولا یا تیکم بعدی خیرٌ منّی کما انّ من کان قبلی خیر منّی اللّٰھم قد احببت لقاءک فاحبّ لقائی۔ (سیر اعلام النبلاء ص۱۵۹ ج۳)

ترجمہ: ابو عبید اللہ عبادہ بن نُسَیّ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے (آخر عمر میں) خطبہ دیا تو فرمایا میں تو ایسی کھیتی ہوں جو پک کر کٹنے کے قریب ہے: اور میری حکومت (کا زمانہ) تم پر طول اختیار کر گیا ہے یہاں تک کہ میں تم سے اور تم مجھ سے اُکتا گئے ہو اور (یاد رکھو)

میرے بعد تم پر مجھ سے بہتر (حکمران کوئی) نہ آئے گا جیسا کہ میرے پیشرو (خلفائے راشدین) یقیناً مجھ سے بہتر (و افضل) تھے (پھر دعا فرمائی) اے اللہ تیری ملاقات کا میں مشتاق ہوں پس تو میری ملاقات کو پسند فرما۔

حضرۃ عمرؓ کی بازپرس اور حضرۃ معاویہؓ کا جواب

وعن رجلٍ قال لما قدم عمر الشام تلقاہ معاویۃ فی موکب عظیم و ھیئۃٍ فلما دنا منہ قال انت صاحب الموکب العظیم ہ قال نعم قال مع ما بلغنی عنک من طول وقوف ذوی الحاجات ببابک : قال نعم ۔قال ولم تفعل ذٰلک ؟ قال نحن بارض جواسیس العدو بھا کثیر فیجب ان نظھر من عز السلطان ما یرھبھم فان نھیتنی انتھیتُ قال یا معاویۃ ما اسألک عن شئٍ الا ترکتنی فی مثل رواجب الضّوس لئن کان ما قلت حقًّا انہ لرأیُ اریبٍ وان کان باطلاً فانہ لخدعۃ ادیبٍ قال فمرنی قال لا آمرک ولا انھاک فقیل یا امیر المؤمنین ما احسن ما صدرعما اوردتہ قال لحسن مصادرہ وموارده جشمناہ ما جشمناہ ۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۳۳ ج ۳ البدایہ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۲۴/۱۲۵)

ایک شخص (سیر کے صاحبِ تخریج و تعلیق نے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ ابن کثیرؒ کے بیان کے مطابق اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے محمد بن قدامہ جوہری عن عبد العزیز

بن یحییٰ عن شیخہ کے طریق سے نقل کیا ہے) بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے تو انہیں حضرت معاویہؓ مجاہدین کی ایک عظیم جماعت اور شاہی ٹھاٹھ کے ساتھ ملے جب حضرت عمرؓ کے بالکل قریب ہوئے تو انہوں نے فرمایا اس عظیم جماعت کے ہمراہ (سربراہ کی حیثیت سے) آپ ہی ہیں ؟ حضرت معاویہؓ نے کہا جی ہاں: حضرت عمرؓ نے فرمایا علاوہ ازیں مجھے تمہارے متعلق یہ شکایت پہنچی ہے کہ تمہارے دروازے پر ضرورت مند دیر تک کھڑے رہتے ہیں (پھر اجازت ملتی ہے) حضرت معاویہؓ نے فرمایا درست ہے ۔ حضرت عمرؓ نے (باز پرس کرتے ہوئے) فرمایا تم ایسا کیوں کرتے ہو ؟ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا کہ ہم ایسی سرزمین میں رہتے ہیں جہاں دشمن کے جاسوس کثرت سے ہیں ۔ پس (انتظامی طور پر) ضروری ہے کہ ہم شاہی دبدبہ دکھائیں جو انھیں مرعوب کرے : تاہم اگر آپ منع فرمائیں تو آئندہ رک جاؤں گا آپ نے فرمایا اے معاویہؓ میں تم سے جس چیز کے متعلق سوال کرتا ہوں تم مجھے ڈاڑھ کی درازوں میں (موجود چیز کی مانند مشکل میں ڈال دیتے ہو : اگر تمہاری یہ بات سچ ہے تو یہ (نزاکتِ حالات کا احساس رکھنے والے) ماہر کی رائے ہے اور اگر باطل ہے تو ایک زیرک و ہشیار شخص کی چال ہے : حضرت معاویہؓ نے عرض کی ۔ آپ حکم فرمائیں حضرت عمر نے فرمایا میں تمہیں نہ روکتا ہوں اور نہ اس کا حکم دیتا ہوں : کسی نے کہا امیر المؤمنین ؟ انہوں نے آپ کی باز پرس کا کیا اچھا جواب دیا ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے ان کو (حکومتی ذمہ داریوں کی) جو زحمت دی ہے ان کی حاضر جوابی اور ذہنی سیرابی کے حسن کی بناء پر ہی تو دی ہے ۔

ایسی حکومت آئندہ کوئی نہ کرے گا

ایوب عن ابی قلابۃ قال کعب بن مالک لن یملک احد

هذه الامّته ما ملك معاوية۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۳ صـ ۱۵۳)

ترجمہ: ابو قلابہ ناقل ہیں کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس امت میں کوئی ہرگز (بعد کے زمانہ میں) ایسی کامیاب حکومت نہ کرے گا جو حضرت معاویہؓ نے کی۔

تین اوصاف

مجالد عن الشعبی عن قبیصة بن جابر قال صحبت معاویة فما رأیت رجلاً اثقل حلمًا ولا ابطأ جهلاً ولا ابعد اناةً منه۔

ترجمہ: حضرت شعبی رحمہ اللہ حضرت قبیصہ بن جابر سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہا پس میں نے کوئی آدمی ان سے زیادہ حلم کے ساز و سامان والا اور جہالت سے ٹال مٹول کرنے والا اور ذاتی برتری (کے جذبہ) سے دور نہیں دیکھا۔

جب تک امیر المؤمنین باقی ہیں

اَبُوهلال عن قتادة قال معاویة واعجبًا للحسن۔ شرب شربة من عسل بماء رومة فقضی نحبه ثم قال لابن عباس لا یسوءك الله ولا یحزنك فی الحسن قال ما ابقی الله لی امیر المومنین فلن یسوءنی الله ولن یحزننی فاعطاه الف الف عروض وعین قال اقسمه فی اهلك۔

(سیر اعلام النبلاء جلد ۳ صـ ۱۵۵)

ترجمہ : ابوہلال جناب قتادہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے (حسرت بھرے انداز میں) فرمایا حضرت حسنؓ کا معاملہ عجیب ہے بیر رومہ کے پانی کے ساتھ شہد کا گھونٹ پیا اور آخرت کو سدھار گئے۔ پھر آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے (بطور تعزیت) فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو حسنؓ کے متعلق رنج وغم میں مبتلا نہ کرے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ میرے لیے امیرالمؤمنین (مراد حضرت معاویہؓ ہیں) کو باقی رکھیں گے اس وقت تک وہ مجھے رنج وغم میں ہرگز مبتلا نہ کریں گے پھر حضرت معاویہؓ نے ان کو دس لاکھ کی مالیت کا ضروری سامان اور نقدی عطا فرمائی کہ اسکو اپنے اہل وعیال میں بانٹ دینا۔

بُرائی کی روک تھام کے لیے خطبہ

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ عورتیں خوبصورتی کے لیے سر کے قدرتی بالوں کے ساتھ مصنوعی بال گتھی کرتی ہیں تو آپ نے منبر پر اس کی روک تھام کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا جو بخاری ومسلم۔ ابوداؤد وترمذی اور مسند احمد وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف راوی ہیں کہ میں نے حج کے موسم میں منبر پر آپ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا : آپ نے اپنے ایک محافظ کے ہاتھ میں سے مصنوعی بالوں کا ایک گچھا لیا اور فرمایا این علماؤکم ؟ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن مثل ھذہ ویقول انما ھلکت بنو اسرائیل حین اتخذ ھذہ نساؤھم : تمہارے علماء کہاں ہیں (وہ اس سے روکتے نہیں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حرکت سے منع فرماتے ہوئے سنا۔ فرماتے تھے جب بنی اسرائیل کی عورتوں نے ایسی حرکات اختیار کیں (اور انہوں نے منع نہ کیا) تو وہ ہلاک ہوگئے۔

اور سیر اعلام النبلاء جلد ۳ صـ۱۲۱ پر ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ کی روایت میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے فرمایا اے اہل مدینہ تمہارے فقہاء کہاں ہیں ؟ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرتے راوی کہتے ہیں کہ آپ نے ذہن نشین کرانے کے لیے بطور نمونہ بالوں کا گچھا سر پر رکھا ہوا تھا کسی دلہن کے جسم پر بھی ایسا خوبصورت نہ لگتا ہوگا جیسا آپ کے جسم پر لگ رہا تھا ۔

وعن ابان بن عثمان كان معاوية وهو غلام يمشي مع أُمّه هند فعثر فقالت قم لا رفعك الله واعرابي ينظر فقال لم تقولين له ؟ فوالله اني لاظنه سيسود قومه قالت لا رفعه ان لم يسد الا قومه ۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۳ صـ۱۲۱)

ترجمہ : ابان بن عثمان کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اپنے لڑکپن میں اپنی والدہ حضرت ہندؓ کے ساتھ پیدل چلے جا رہے تھے کہ پاؤں پھسل کر گر پڑے والدہ نے کہا اُٹھ ۔ خدا تجھے بلند نہ کرے ۔ ایک اعرابی جو یہ منظر دیکھ رہا تھا کہنے لگا ۔ آپ اس کو ایسا کیوں کہتی ہیں ۔ خدا کی قسم میرا تو گمان ہے کہ یہ اپنی قوم پر سرداری کرے گا حضرت ہندؓ نے فرمایا اگر یہ صرف اپنی قوم پر ہی سرداری کرے گا تو خدا اس کو اونچا نہ کرے ۔

امام ذہبی کا حسین تبصرہ

وخلف معاوية خلق كثير يحبونه ويتغالون فيه ويفضّلونه اما قد ملكهم بالكرم والحلم والعطاء واما قد ولدوا في الشّام على حبّه وتربّى اولادهم على

ذلك وفيهم جماعة يسيرة من الصحابة وعدد كثير من التابعين والفضلاء وحاربوا معه اهل العراق ونشؤ وا على النصب نعوذ بالله من الهوٰى كما قد نشأ جيشُ علی رضی اللہ عنہ ورعيته الا الخوارج منهم على حبه والقيام معه وبغض من بغى عليه والتبرى منهم وغلا خلق منهم فى التشيع فبالله كيف يكون حال من نشأ فى اقليم لا يكاد يشاهد فيه الا غاليًا فى الحب مفرطا فى البغض ومن اين يقع له الانصاف والاعتدال

ترجمہ: (فرماتے ہیں) حضرت معاویہؓ نے اپنے پیچھے ایسی بہت مخلوق چھوڑی جو آپ سے محبّت کرتی اور آپ کے بارہ میں غلو سے کام لیتی اور آپ کو اوروں پر فضلیت دیتی تھی: یا تو (اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ نے ان پر شرافت وحلم اور عطاء وسخاء کے ساتھ حکومت کی اور یا پھر یہ کہ شام میں وہ لوگ آپ کی محبّت پر ہی پیدا ہوئے تھے اور ان کی اولاد بھی اسی جذبہ پر پھلی پھولی: اور ان میں صحابہ کرام کی تھوڑی اور تابعین کرام وفضلاء کی کثیر تعداد تھی جنہوں نے آپ کے ساتھ عراقیوں کے خلاف لڑائی لڑی اور منازعت پر نشو ونما پائی (ہم خواہش نفس سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں) جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر اور رعیت خوارج کو چھوڑ کر ان کی محبت اور ان کی حمایت اور ان پر زیادتی کرنے والوں کے بغض اور ان سے بیزاری پر پھلا پھولا تھا۔ اور ایک جماعت تو تشیع میں حد سے بڑھ گئی۔ پس اللہ ہی بہتر جانے کہ اس شخص کا (دینی طور پر) کیا حال ہوگا جو ایسی مملکت میں جوانی کی عمر کو پہنچے کہ جہاں محبّت میں غلو

کرنے والا اور بغض میں افراط کرنے والا شخص ہی مشاہدہ میں آئے۔
اسے (مراتب صحابہ کرام واکابر) میں انصاف واعتدال کہاں سے میسّر آئے گا؟

فنحمد اللّٰہ علی العافیۃ الذی اوجدنا فی زمانٍ قد انمحص فیہ الحق واتضح من الطرفین وعرفنا ماخذ کل واحدٍ من الطائفتین وتبصرنا فعذرنا واستغفرنا واجبنا باقتصاد وترحمنا علی البغاۃ بتاویل سائغ فی الجملۃ او بخطأ ان شاء اللّٰہ مغفورٍ وقلنا کما علّمنا اللّٰہ (ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْ) الحشر۔ وترضینا ایضًا عمن اعتزل الفریقین کسعد بن ابی وقاص وابن عمر ومحمد بن مسلمۃ وسعید بن زید وخلق وتبرأنا من الخوارج المارقین الّذین حاربوا علیًا وکفروا الفریقین فالخوارج کلاب النّار قد مرقوا من الدین ومع ھذا فلا نقطع لھم بخلود النار کما نقطع بہ لعبدۃ الاصنام وَالصلبان۔ (سیر اعلام النبلاء جلد ۳ صـ ۱۲۸)

ترجمہ: پس ہم اللہ تعالیٰ کا اس عافیت پر شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اس زمانہ میں پیدا کیا جس میں حق روشن ہوگیا اور طرفین کی پوزیشن واضح ہوگئی اور ہم نے فریقین کے ہر طائفہ کے مآخذ (دلائل) پہچان لیے۔ اور ان میں غور کیا۔ پس ہر ایک فریق کو معذور خیال کیا اور طلب مغفرت کی اور میانہ روی کو پسند کیا اور زیادتی کے مرتکب طائفہ کے لیے فی الجملہ

جائز تاویل یا قابلِ مغفرت خطاء (کے قول کے) ساتھ رحمت کی دعا کی: اور ہم وہی دعائیہ کلمات (صحابہ کرام کے ان دونوں گروہوں کے متعلق) کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائے (سورۃ الحشر رکوع ۲ پارہ ۲۸ میں ہے) ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے ان (دینی) بھائیوں کی مغفرت فرما دے جو ایمان میں ہم سے سبقت کر گئے (اور ان کی یہ پہل ہمارے اسلام کا ذریعہ بنی) اور ہمارے دلوں میں ان اہلِ ایمان کے کینہ کو جگہ نہ دے۔ (آگے فرماتے ہیں) اور ہم ان حضرات سے بھی اپنی رضا مندی کا اظہار کرتے ہیں جو نہایت احتیاط کی بناء پر ان دونوں فریقوں سے الگ رہے جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبداللہ بن عمر حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت سعید بن زید (رضی اللہ عنہم) اور دوسرے لوگ .. اور ہم ان دین کی حد سے نکل جانے والے خارجیوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں جنہوں نے (بلا دلیلِ شرعی) حضرت علیؓ سے لڑائی کی: اور صحابہ کرام کے باہم الجھنے والے دونوں گروہوں پر کفر کی تہمت لگائی: پس خارجی تو جہنم کے کتے ہیں جنہوں نے دین سے خروج اختیار کیا: اس کے باوجود ہم حتمی طور پر ان کے لیے دائمی طور پر جہنم میں رہنے کا فیصلہ نہیں دیتے: جیسا کہ بت پرستوں اور صلیب پرستوں کے لیے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم کرتے ہیں: علامہ ذہبیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی شخصیات کے بارہ میں ناپختہ کار اور خام عقل لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا اور توسط و اعتدال کی راہ سے ہٹ گئے: جبکہ اہل سنّت و جماعت علمائے حق نے فرقِ مراتب کے ساتھ مسلکِ اعتدال کو مضبوط سے تھاما۔

خراجِ تحسین

امام شمس الدین ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء جلد ۳ صـ۱۳۲ پر خلیفہ کے حوالہ سے یہ نقل کرکے کہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سارا شام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہؓ کی ماتحتی میں دے دیا تھا : کاتبِ وحی کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں :

قلت حسبك بمن يؤمره عمر ثم عثمان على اقليم وهو ثغر فيضبطه ويقوم به اتم قيام ويرضى الناس بسخائه وحلمه وان كان بعضهم تألم مرة منه وكذلك فليكن الملك وان كان غيره من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم خيرًا منه بكثير وافضل واصلح فهذا الرجل ساد وساس العالم بكمال عقله و فرط حلمه وسعته نفسه وقوة دهائه ورأيه وله هنات وامور والله الموعد : وكان محببًا الى رعيته عمل نيابة الشام عشرين سنة والخلافة عشرين سنة ولم يهجه احد فى دولته بل دانت له الامم وحكم على العرب والعجم وكان ملكه على الحرمين ومصر والشام والعراق وخراسان وفارس والجزيره واليمن والمغرب وغير ذلك :

میں کہتا ہوں تجھے حضرت معاویہؓ کی عظمت وصلاحیت کے لیے یہ کافی دلیل ہے کہ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مدبر انسان نے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

نے سرحدی ملک (شام) کی حکومت سونپی: اور آپ نے کنٹرول کیا اور علیٰ وجہِ الاتم حکومتی نظم ونسق سنبھالا اور رعایا کو اپنی سخاوت حلم وبردباری کے ذریعہ خوش رکھا۔ اگرچہ بعض لوگوں کو آپ سے ایک مرتبہ رنج بھی پہنچا اور حکومت کا مسئلہ ایسا ہی (نازک) ہوتا ہے: گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں (علم وفضل۔ زہد وتقویٰ کے اعتبار سے) آپ سے بہتر اور بہت رفیع المرتبت اور لائق افراد بھی تھے۔ مگر اس مرد (حضرت معاویہؓ) نے ایک عالم پر اپنے کمالِ عقل وفورِ حلم۔ وسعتِ ظرف اور نہایت چابکدستی ورائے سے سرداری اور سیاست کی: آپ کی (خلفائے راشدین کے اعلیٰ معیار کے اعتبار سے) فروگذاشتیں اور کمزوریاں بھی ہیں: رعیت کو آپ بڑے محبوب تھے: بیس۲۰ سال آپ نے نیابت اور بیس۲۰ سال خلافت کی: آپ کے زمانۂ حکومت میں کوئی شخص فتنہ نہ اٹھا سکا بلکہ ساری اقوام تابع فرمان تھیں۔ آپ نے عرب وعجم۔ مصر۔ شام عراق۔ خراسان جزائر۔ یمن۔ مغرب تمام حصّوں پر حکومت کی۔

حضرت معاویہؓ پر حضورؐ کی دعاؤں کی چھاؤں

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں علاقہ یمن کے سرداروں کے نام قبولِ اسلام کے لیے پیغامات بھیجے تھے: ان سرداروں میں: حضرموت کے آخری تاجدار حُجر کے شہزادہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ بھی ہیں: مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی محققانہ وجامع کتاب: بلاغِ مُبین: ص۲۰۸ پر تحریر فرماتے ہیں ادھر وائل قبولِ اسلام کے لیے مدینۂ طیبہ روانہ ہوئے۔ اُدھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بشارت سنائی کہ عنقریب دور دراز بستی: حضرموت سے اپنی قوم کے سردار وائل اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں سرشار آتے ہیں۔ وہ حضرموت کے شہزادے ہیں: جب چند روز کے بعد وائل دربار قدسی حاضر ہوئے

تو آپؐ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنی برابر جگہ دی اور ان کی عظمت بڑھانے کے لیے اُن کے نیچے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور پھر ان کو دعاءِ برکت دی کہ اللہ تعالیٰ وائل اور اس کی اولاد میں برکت دے جب وائل چند روز قیام کرنے کے بعد وطن روانہ ہونے لگے : تو خدمتِ اقدس میں عرض کیا اور اجازت چاہی ۔ آپ نے ان کو بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور سرداران حضرموت پر ان کی سرداری کو بحال رکھا ۔ حضرت وائلؓ نے اس شرف سے مشرف ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپ میری قوم کے لیے کچھ نصائح تحریر فرما دیجئے کہ میں جا کر ان کو سناؤں : آپؐ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سرداران حضرموت کے نام نامہ لکھیں (یہ نامہ حضرت سیوہاروی نے آگے نقل فرمایا ہے) اس کے بعد حضرت وائلؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری بہت سی املاک میرے عزیزوں نے غاصبانہ قبضہ میں کر رکھی ہیں ۔ اور سرداران حضرموت و سرداران حمیر اس کے شاہد ہیں : آپؐ نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے بھی زیادہ دوں گا اور یہ فرما کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ ایک دوسرا والا نامہ تحریر کریں (آگے مُصنِفؒ نے والا نامہ کی عبارت مع ترجمہ نقل فرمائی ہے نامۂ مبارک پر مہر لگا کر آپؐ نے حضرت وائل کے سپرد کر دیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدد کے لیے ہمراہ کر دیا حضرت وائل اونٹنی پر سوار تھے ۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پیادہ پا چل رہے تھے : چلتے چلتے شدت حرارت سے جب زیادہ تکلیف ہونے لگی تو حضرت وائل سے کہا کہ آپ مجھ کو اپنے پیچھے بٹھا لیجئے : حضرت وائل نے جواب دیا کہ تم شاہوں کے برابر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اپنی جوتیاں ہی مرحمت فرما دیجئے کہ زمین کی شدتِ حرارت سے تو محفوظ ہو جاؤں حضرت وائلؓ نے جواب دیا کہ اونٹنی کے سایہ میں چلتے رہو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ اونٹنی کا سایہ اس حرارت کے لیے کافی نہیں (حضرت وائل کے اس بظاہر غیر مناسب سلوک سے کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے : کیونکہ ایک تو خود شہزادہ تھے

اور پھر حضور علیہ السّلام نے ان کے ساتھ ایک امتیازی سلوک برتا تھا۔ صحابۂ کرام کے سامنے ان کی آمد کی پیشینگوئی بڑی مسرّت سے دی تھی اور ان کی آمد پر اپنے برابر جگہ دی۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اپنی ردائے مبارک ان کے نیچے بچھا دی اور ان کی سرداری کو بحال رکھا اور قوم کی نصائح بالخصوص اِن کی غاصبانہ مقبوضۂ غیر املاک کی واگذاری سے متعلق حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کو سردارانِ یمن کے نام خاص نامہ بھی تحریر کرنے کا حکم فرمایا۔ جس شخص کو دنیاوی وجاہت و منصب کے ساتھ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ شاہی اعزاز اور خصوصی عنایات و توجہات کی عظیم نعمت بھی مل گئی اس کے دل میں کتنا علو اور استغنا پیدا ہوگا اس کا اندازہ دوسرا کیا کر سکتا ہے۔ اور پھر جب جمال روئے انور کا حسین منظر ابھی تازہ تازہ دل میں موجزن ہو پھر وہ کسی کو کہاں خاطر میں لائے گا ویسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام سے ابھی پوری طرح واقف بھی نہ تھے۔ از حسینی۔

حسنِ اتفاق کہ قبولِ اسلام کے کچھ زمانہ بعد ہی حضرت وائل رضؓ حضرموت (کی بادشاہت) چھوڑ کر (اتباعِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زندگی کا سب سے عظیم سرمایہ اعتقاد کر کے) کوفہ آباد ہو گئے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حکومت تک زندہ رہے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں (جب آپکی حکومت تھی) پہنچے تو وہ بہت اکرام و احترام کے ساتھ پیش آئے اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ کو اپنی برابر تخت پر بٹھایا۔ دوران گفتگو میں اس واقعہ کا تذکرہ بھی آگیا۔ جو ان کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان (زمانِ ماضی میں) حضرموت کی راہ میں پیش آیا تھا حضرت وائل رضؓ اس واقعہ کو یاد کر کے بہت افسوس کرنے لگے۔ کہ اس روز کیوں میں نے ان کو اپنے برابر اونٹ پر نہ بٹھالیا تھا۔ بہرحال حضرت وائل رضؓ نے شاہی پر لات مار کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو اپنا طغرائے امتیاز بنایا۔

اور ثابت کر دیا کہ غلامیِ رحمتِ دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عظیم چیز ہے کہ جس کے مقابلہ میں تمام دنیا کا ساز و سامان ایک پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا :

ہرگز نہ لوں جو سلطنتِ بحر و بر ملے
مجھ کو اگر غلامیِ خیر البشر ملے

اس واقعہ کو بار بار غور سے پڑھیئے : اور اپنے ایمان و یقین میں اضافہ فرمایئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے جو قیمتی دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ معاویہؓ کے باطن کو علم اور حلم سے بھرپور فرما دے : وہ کیسے رنگ لائی خیال فرمایئے کہ سفر بھی مدینہ طیبہ سے یمن تک کا ہے اور حضرت معاویہؓ جو رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی ہیں پیادہ ہیں ۔ پاؤں میں جوتے بھی نہیں اور اُدھر شہزادۂ یمن وائلؓ جو ابھی عنایاتِ نبوت کے نشہ میں ڈوبا ہوا ہے اتنا استغنا برت رہا ہے کہ درخواست کے باوجود اپنے پیچھے سواری پر بٹھانا تو درکنار حضرت معاویہؓ کے لیے یمن تک اپنے جوتوں کی قربانی کرنے کو بھی تیار نہیں اور زیادہ اصرار پر یہی کہتا ہے کہ میاں اونٹنی کے سایہ میں چلتے رہو حضرت معاویہؓ کا جسم تھکاوٹ سے چور چور ہے ۔ پاؤں زخمی ہیں ۔ مایوس کن اور حوصلہ شکن سلوک اور جگر خراش جوابات سن کر جگر پارہ پارہ ہے مگر کیا مجال کہ اپنے نومسلم بھائی کو کوئی سخت سست کلمہ کہیں یا مجلس میں یہ واقعہ سنا کر حضرت وائلؓ کی آبروریزی کریں یہاں تک کہ بارگاہِ رسالت میں بھی شکایت نہیں فرمائی ۔ ان سب امور کا جواب صرف خاموشی سے دیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا ۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ سے جب وہ سواری پر رَدِیفُ النبیؐ تھے دریافت فرمایا تھا کہ اے معاویہ اس وقت تیرے جسم کا کونسا حصہ میرے جسم سے زیادہ متصل ہے ؟ جواب دیا یا رسولَ اللہؐ : پیٹ : آپؐ نے دعا فرمائی اے میرے اللہ اس کو علم اور حلم سے بھرپور فرما دے بس یہی

محبّت بھری نبیؐ کی پاکیزہ دعائیں حضرت معاویہؓ پر زندگی بھر چھاؤں کرتی رہیں :

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ذرا ذہنی پرواز اور بلند کر کے سوچیے کہ اُس وقت تو حضرت وائل رضی اللہ عنہ حکومتی منصب پر فائز تھے ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاموشی اِس منصب کے پیشِ نظر مجبوری قرار دی جا سکتی تھی ۔ مگر کوفہ آباد ہونے کے بعد تو حضرت وائلؓ ایک محکوم کی حیثیت میں تھے ۔ اور حضرت معاویہؓ کی فراست و سیاست اور حسنِ نظم و ضبط و استحکامِ تدبیر کی بنا پر اسلام کی دھاک تمام بیرونی دنیا پر بیٹھی ہوئی تھی ۔ اِس وقت حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت وائلؓ کا انتہائی اکرام و احترام اور یمن سے آمد پر ان کے ساتھ اپنے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازی سلوک اور خصوصی توجہات و عنایات کے حسین منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے برابر جگہ دینا اور ماضی میں گذرے ہوئے واقعہ کو صرف ایک دوستانہ شکوہ کی حد تک محدود رکھنا بلاشبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حسنِ خلق ۔ کمالِ حلم اور کمالِ ایمان و عشقِ رسالت پر کھلی شہادت ہے ۔

اتباعِ رسالت کی انوکھی مثال

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ عشقِ رسالت نہ تو سبز جھنڈیاں لگانے کا نام ہے نہ ہی قمقموں سے گلی کوچوں اور بازوں کو چمکانے کا ۔ نہ جلوس نکالنے کا نام ہے اور نہ رسمی اور نمائشی مظاہروں کا : نہ صرف مدحیہ اشعار پڑھنے کا نام عشقِ رسالت ہے اور نہ صرف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر زبانی جمع خرچ کی حد تک لیکچر دینے اور تقریر و وعظ کرنے کا : عشقِ رسالت کا معیار تو قرآنی ہدایات اور نبوی ارشادات و تعلیمات کے مطابق ایسی زندگی گذارنا ہے جو اغیار کے لیے نمونہ بن جائے : حقیقی طور پر عشقِ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار صحابۂ کرام کی اوّلین جماعت ہے : اس کے بعد اُمّتِ مسلمہ کے اہل اللہ لوگ : ورنہ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی مدح وستائش کا تعلق ہے اس سے تو کسی منصف مزاج غیر مسلم کو بھی انکار نہیں : بلکہ بعض غیر مسلم افراد کے مدح پیغمبر میں ایسے مقالات واشعار ہیں کہ انسان پڑھ سُن کر یہ سوچنے لگتا ہے کہ ایسے لوگ کافر کیوں ہیں؟ خالُ المؤمنین کاتبِ وحی ومکتوباتِ رحمۃٌ للعٰلمین حضرت معاویہؓ بھی صحابۂ کرام کی اسی اولین جماعت کے ممتاز فرد ہیں ۔ آپ کو بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی ؛ مشکوٰۃ شریف ص۳۴۷ میں روایت ہے کہ حضرت معاویہؓ اور اہل روم کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا اور صلح ہوگئی صلح کی مدت قریب اختتام تھی کہ حضرت معاویہؓ نے اسلامی افواج کو سرحدوں پر جمع کرنا شروع کر دیا کہ صلح کی مدت ختم ہوتے ہی فوراً رومیوں پر حملہ کا آغاز کر دیا جائے : آپ کا خیال یہ تھا کہ رومی حکام تو ابھی سوچ بھی نہ سکیں گے کہ اتنی جلدی حملہ ہو جائے گا ۔ اس تدبیر سے رومیوں پر فتح پانا آسان ہوگا ۔ چنانچہ جونہی مدت ختم ہوئی ۔ اسلامی افواج نے رومیوں پر یلغار کر دی ۔ وہ پسپا ہونے لگے آپ ان کا علاقہ فتح کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص دور سے وَفَاءً لَّا غَدْرً کے الفاظ پکارتا ہوا سنائی دیا ۔ ان کلمات کا حاصل یہ تھا کہ مومن کا کام اپنے عہد کو وفا کرنا ہے ۔ اس سے منحرف ہونا نہیں قریب آنے پر پتہ چلا کہ وہ شخص تو صحابی رسول حضرت عمرو بن عَبَسَہؓ رضی اللہ عنہ ہیں ۔ حضرت معاویہؓ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے ۔ جواب میں فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب دو قوموں کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو تو اس معاہدہ کی مدت میں نہ تو کوئی فریق عہد کھولے نہ باندھے (یعنی کوئی تغیر وتبدل نہ کرے) یہاں تک کہ مدت ختم ہو جائے ۔ حضرت عمروؓ کا مقصد دراصل یہ تھا کہ حدیث کی رو سے صلح کی مدت کے دوران جیسے حملہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح دشمن کے خلاف اپنی فوجوں کو لے کر روانہ ہونا بھی جائز نہیں ۔ عاشقِ رسول حضرت

معاویہؓ نے یہ فرمانِ نبوت سننا ہی تھا کہ حکم دے دیا کہ اسلامی افواج بلا تاخیر واپس چلی جائیں چنانچہ پوری فوج واپس ہوگئی ۔ یہاں تک کہ مفتوحہ علاقہ بھی خالی کر دیا گیا : اندازہ لگائیے کہ جب افواج فتح کے نشہ میں چور ہوں اور واپسی کی صورت میں دشمن کی طرف سے شدید ردعمل کے خطرات سروں پر منڈلا رہے ہوں ان حالات میں اسلامی افواج فرمانِ نبی کے پیش نظر بلا پس وپیش مفتوحہ علاقہ خالی کر کے واپس چلی جائیں اور ان کی پیشانی پر شکن بھی نہ پڑے یہ للہیت اور عشق رسالت کے بغیر کیسے ممکن ہو سکتا ہے ۔ کیا ایفائے عہد کی ایسی زرّیں مثال دنیا کی تاریخ میں مل سکتی ہے :

نیز کیا ایسے کٹھن حالات میں حکمِ پیغمبر کے سامنے اپنی خواہشات قربان کر کے افواج کی واپسی کا حکم حضرت معاویہؓ کے سراپا اسلام میں مستغرق ہونے اور حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین کے ساتھ حقیقی تعلق و فداکاری کا واضح ثبوت نہیں ؟

حاکمِ وقت اور تواضع کا انداز

ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت جبلہ بن سحیم ایک بار ان کی خلافت کے زمانہ میں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ان کے گلے میں رسّی پڑی ہوئی ہے جسے ایک معصوم بچہ کھینچ رہا ہے اور آپ اس بچہ سے کھیل رہے ہیں حضرت جبلہ نے دریافت کیا اے امیر المؤمنین یہ آپ کیا کر رہے ہیں حضرت معاویہؓ نے فرمایا ارے بے وقوف چپ رہو ۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کسی کے پاس بچہ ہو تو وہ بھی بچگی سی حرکتیں کر لیا کرے تاکہ بچہ خوش ہو جائے (تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۲۲۲/۲۲۳)

حکومت کی پیشینگوئی بزبانِ نبوت

۱ ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی الاصابہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی تحریر کرتے

ہیں کہ ہیں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لے کر حاضر ہوا۔ آپؐ نے وضو فرمایا اور وضو سے فارغ ہو کر (محبت بھری) نگاہ سے میری طرف دیکھا اور فرمایا اے معاویہؓ اگر تمہیں امارت و حکومت سپرد کی جائے تو (یونہی) اللہ سے ڈرتے رہنا اور عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑنا۔

۲۔ احمد فی المسند: حدّثنا روح حدثنا ابو امیۃ عمرو بن یحییٰ بن سعید حدّثنا جدّی ان معاویۃ اخذ الاداوۃ وتبع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرفع راسہ الیہ وقال یا معاویۃ ان ولیت امرًا فاتّقِ اللہ واعدل فما زلت اظن انی مبتلی بعمل لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی ابتلیت۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۳۱ جلد ۳)

ترجمہ: حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں بسند نقل کیا ہے کہ ابو اُمیہ عمرو فرماتے ہیں کہ ہمیں ہمارے دادا نے بیان فرمایا کہ حضرت معاویہؓ نے پانی کا برتن لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیچھے چلتے رہے؛ پس آپؐ نے سر اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو فرمایا اے معاویہؓ اگر تجھے حکومتی ذمہ داریاں سونپی جائیں تو اللہ سے ڈرتے رہنا اور عدل سے کام لینا (حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں) پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی بنا پر مجھے یقین رہا کہ ضرور مجھے حکومتی ذمہ داریوں سے واسطہ پڑے گا۔

۲۔ غالب قطان حضرت حسنؓ سے روایت کرتے ہیں:

سمعت معاویہ یخطب وھو یقول: صببت یومًا علی رسول اللہ علیہ وسلم وضوءہ فرفع رأسہ الی فقال اما انک ستلی امر امتی بعدی فاذا کان ذلک فاقبل عن

محسنهم و تجاوز عن مسیئهم :

ترجمہ : کہ حضرت معاویہؓ کو میں نے خطبہ میں یہ فرماتے سنا کہ ایک روز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کراتے ہوئے پانی ڈال رہا تھا آپؐ نے سر مبارک میری طرف اٹھا کر فرمایا : سن لے تو میرے بعد میری اُمت کی حکومت سنبھالے گا ۔ اس کے نیکوکار کی حوصلہ افزائی کرنا اور خطاکار سے درگذر کرنا (یہاں تک کہ یہ ابتلا پیش آگیا) ۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۲۳ ج ۸)

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ نبوی پیشینگوئی کے مطابق آپ کو حکومتی ذمہ داریاں سونپی گئیں اور اس کا آغاز بھی امام عدل و حریت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے حکم سے فرمایا ۔ وہ عمرؓ جو بجا طور پر مراد پیغمبر اور دامادِ حیدرؓ ہیں ، اب کیا کوئی ادنیٰ عقل والا انسان یہ باور کر سکتا ہے ؟ کہ جونہی حضرت معاویہؓ نے کرسی اقتدار پر قدم رکھا تو ان پر دور حاضر کے دنیا دار حکمرانوں کی طرح اقتدار کا ایسا نشہ سوار ہوا کہ حکومتی ذمہ داریوں سے متعلق اپنے مولیٰ و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام تاکیدی ارشادات یکسر فراموش کر بیٹھے ؟ اور تمام شرعی پابندیوں سے آزاد ہو کر اور تمام اسلامی اصول و ضوابط بالائے طاق رکھ کر اپنے پیشرو خلفائے راشدین کی عادلانہ پالیسی سے ہٹ گئے ؟ ایسا نہیں ہرگز ایسا نہیں : کیونکہ حضرت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین شاگردوں اور ساتھیوں کے بارہ میں اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو باقی امت پر کیا گلہ ؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر سرمایۂ اہل سنت و جماعت فاضل جلیل فقیہ نبیل حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جسٹس شرعی عدالت کے قلم سے نکلنے والی چند سطور نقل کی جائیں جو انہوں نے اپنی کتاب : حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق : میں تحریر فرمائی ہیں : (اس کتاب کا راقم السطور کے نزدیک ہر صاحب علم کے پاس موجود ہونا ضروری ہے) موصوف خلفائے راشدین کی خلافت اور حضرت معاویہؓ کی خلافت میں

فرق بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں ۔ لہٰذا خلافت راشدہ اور حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں فرق تو بیشک تھا۔ لیکن وہ تقویٰ اور فسق کا نہ تھا۔ بلکہ اس فرق کی بہترین تشریح وہ ہے جو مشہور صحابی حضرت عدیؓ بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے : حضرت عدی بن حاتم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرگرم حامیوں میں سے تھے ؛ صفین وغیرہ کی جنگوں میں انہوں نے کھل کر حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بھی وہ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہے ؛ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ ہمارے عہد حکومت کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے ؛ وہ کیسا ہے ؟ حضرت عدیؓ نے فرمایا اگر سچ کہیں تو آپ کا خوف اور جھوٹ کہیں تو اللہ تعالیٰ کا ؛ حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں تمہیں قسم دیتا ہوں سچ سچ بیان کرو ۔ اس پر حضرت عدیؓ نے فرمایا (ترجمہ عربی عبارۃ) تمہارے زمانہ کا انصاف پہلے زمانہ کا ظلم تھا اور تمہارے زمانے کا ظلم آئندہ زمانہ کا انصاف ہوگا۔ حضرت عدیؓ کے جامع جملہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدین احتیاط تقویٰ اور احساس ذمہ داری کے جس معیار بلند پر فائز تھے ۔ بعد میں وہ معیار باقی نہیں رہا ۔ خلفائے راشدین عزیمت پر عامل تھے اور حضرت معاویہؓ نے رخصتوں میں توسع سے کام لیا ۔ وہ حضرات اپنی عمومی زندگی میں تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے تھے اور حضرت معاویہؓ مباحات کی حد تک خلاف احتیاط باتوں کو بھی گوارا کر لیتے تھے ؛ مثلاً خلفائے راشدین نے عزیمت اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں بنایا ۔ باوجودیکہ ان کے صاحبزادوں میں خلافت کی شرائط پائی جاتی تھیں ؛ اس کے برخلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے بیٹے کو ولی عہد بنا دیا ؛ خلفائے راشدین نے عزیمت اور احتیاط کے تحت اپنا طرز معیشت نہایت فقیرانہ بنایا ہوا تھا۔ مگر حضرت معاویہؓ نے رخصت و اباحت پر عمل کیا اور ان کے مقابلہ میں نسبتہً فراخیٔ عیش اختیار فرمائی۔ خلفائے راشدین کے احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ وہ عوام کے ایک ایک فرد کی

خبر گیری اس کے گھر جا جا کر کیا کرتے تھے اور حضرت معاویہؓ کے بارہ میں ایسی کوئی بات مروی نہیں۔ (فراخیٔ عیش پر حاشیہ کا نوٹ ملاحظہ ہو) مگر یہ فراخی عیش بھی آج کل کے حکمرانوں کی سی عیش کوشی نہ تھی۔ یونس بن میسرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ کو دمشق کے بازاروں میں اس حالت میں چلتے دیکھا کہ انہوں نے پیوند لگی ہوئی قمیص پہنی ہوئی تھی

(البدایہ والنہایہ)

چند سطور کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں: اسی قسم کی چیزیں تھیں جن کے بارہ میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے زمانہ کا انصاف پہلے زمانہ کا ظلم تھا۔ ص۱۳۱ پر لکھتے ہیں غرض یہ ہے کہ اگر اکابر صحابہ کرام کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کچھ خرابیاں نظر آتی ہیں تو وہ خلفائے راشدینؓ کی نسبت سے تھیں: ظاہر ہے کہ جو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ کا اندازِ حکومت دیکھ چکے تھے انھیں حضرت معاویہؓ کے عہد میں خامیاں نظر آئیں تو کچھ بعید نہیں: لیکن اس سے اس بات کا کوئی جواز نہیں نکلتا کہ ساڑھے تیرہ سو برس بعد کا کوئی شخص بعض صحابہ کرام کے اس تاثر کو بنیاد بنا کر حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں آج کی گندی سیاست کے تمام مظاہر کے تلاش کرنے شروع کر دے اور تحقیق کے بغیر ان پر جھوٹ۔ خیانت۔ رشوت۔ اخلاقی پستی۔ ظلم و جور۔ بے حمیتی اور سیاسی بازی گری کے وہ تمام الزامات عائد کر ڈالے جو آج سیاستدانوں میں نظر آتے ہیں۔ حضرت عثمانی صاحب مدظلہٗ نے احسن طریقہ پر جو فرق بیان فرمایا۔ وہ منصف کے لئے کافی ہے۔ جس کا خلاصہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہے "کہ فرق ضرور تھا مگر ایسا فرق نہ تھا جیسا کہ عاقبت نا اندیش اصحاب قلم نے بنا ڈالا کہ ایک طرف تقویٰ ہو اور دوسری طرف فسق و فجور یا ایک طرف عدل ہو اور دوسری طرف ظلم و جور بلکہ عزیمت و رخصت۔ تقویٰ اور مباحات کا احتیاط اور توسع کا، اصابت رائے اور قصور اجتہاد کا فرق تھا۔

مجاہدانہ کارنامے

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اپنے فرزندان حضرت یزید بن ابی سفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ شرکت اور مجاہدانہ کردار قابل ذکر ہے اور جنگ یرموک جو علی اختلاف الروایات ۱۳ھ یا ۱۵ھ میں گرم ہوئی اس میں تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا کے ساتھ شریک تھے: اور اپنی ایک آنکھ بھی راہ خدا میں قربان کر دی تھی (جس کا ذکر پہلے بھی گذرا) فتوح الشام ص ۳۷۰/۳۷۱ پر مذکور ہے کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے جو اشعار جنگ احد میں مسلمانوں کے خلاف کافروں کو ابھارنے کے لیے پڑھے تھے: وہی اشعار اس موقع پر رومیوں کے خلاف اہل اسلام کو ابھارنے کے لیے پڑھتی تھیں۔ ایک موقع پر تو اپنے خاوند حضرت ابوسفیان رضؓ کی سواری کے منہ پر ڈنڈا مارتے ہوئے کہا تھا ابوسفیان کہاں کو؟ لڑائی کا رخ کرو اور اپنی جان پر کھیل جاؤ تاکہ تم اس تحریض و ترغیب سے پاک وصاف ہو جاؤ جو تم نے زمانۂ کفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو دی تھی ص ۳۹۱ پر ہے۔ معاشر العرب: (اے عربوں کی جماعت) ان غیر ممنون کفار کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔ حضرت ہند رضؓ یہی کہتی جاتی تھیں اور اپنے ہاتھ میں لی ہوئی ہندی تلوار آبدار سے کفار کو تہ تیغ کرتی جاتی تھیں۔ اس جنگ میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا دختر حضرۃ ابوسفیان رضؓ بھی اپنے شوہر کے ہمراہ شریک جہاد تھیں اور حضرت یزید رضؓ و معاویہ بھی شامل تھے۔ اسلامی لشکر کے ایک حصہ کا پرچم اور امارت حضرت یزید رضؓ بن ابی سفیان رضؓ کو حاصل تھی۔ ماحصل یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے مخلصانہ کردار اور مجاہدانہ کارناموں سے اپنے راسخ الایمان ہونے کا ثبوت خوب خوب پیش فرمایا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کا مجاہدانہ کردار کتابوں میں مذکور

ہے جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ۔

حضرت معاویہؓ کی اسلامی فتوحات

(اجمالی خاکہ)

۱ ۔ علامہ بلاذری نے تحریر کیا کہ فتح اُردن میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے : ان کے حکم کے مطابق اُردن کے سواحل پر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی امارت میں لشکر کشی کی گئی ۔ لشکر کے مقدمہ پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مقرر تھے ۔ بالآخر بڑی جدوجہد کے بعد حضرت یزید حضرت عمرو بن عاص اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سواحلِ اُردن فتح ہوئے ۔

(فتوحُ البدان)

۲ ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روم کے شہر قیساریہ پر جو اہل روم کی فوجی چھاؤنی تھی لشکر کشی کا حکم دیا ۔ سات سال تک اس کا محاصرہ رہا بالآخر ۱۹ھ میں یہ فتح ہوا ۔ اور ہوا بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں : جب حضرت عمرؓ نے مدینہ طیبہ میں اس کی فتح کا اعلان فرمایا تو مسلمانوں کے نعرہائے تکبیر سے فضا گونج اٹھی ۔

۲۷ھ اس سال حضرت معاویہؓ نے قنسرین پر حملہ کیا :

اور اس سال ہی آپ پہلا اسلامی بیڑا لے کر قبرس (سائپرس) کی جانب بڑھے

۲۸ھ میں یہ عظیم الشان جزیرہ آپ کے ہاتھوں فتح ہوا :

(نوٹ) علامہ حموی نے معجم البلدان میں : قُبرس : قاف کے پیش بار کے سکون اور راء کے پیش اور سین کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔

۳۲ھ میں آپ نے رومی ممالک پر حملہ کیا اور بحر روم عبور کرتے ہوئے تنگنائے قسطنطنیہ تک پہنچ گئے ۔

۳۳ھ میں افرنطیہ اور ملطیہ اور روم کے کچھ مزید علاقے فتح کئے۔
۳۴ھ آپ کی زیر قیادت غزوۂ ذی خشب پیش آیا۔
۴۲ھ غزوۂ سجستان پیش آیا اور سندھ کا ایک حصّہ اسلام کے زیر نگیں آیا۔
۴۴ھ میں کابل فتح ہوا اور مسلمان ہندوستان میں قندابیل کے مقام تک پہنچ گئے۔
۴۵ھ افریقہ پر لشکر کشی کی گئی اور ایک بڑا حصّہ اسلام کے قبضہ میں آیا۔
۴۶ھ صقلیہ (سسلی) پر پہلی بار لشکر کشی کی گئی اور بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔
۴۷ھ افریقہ کے باقی علاقوں میں جہاد جاری رکھا گیا۔
۵۰ھ/۵۱ھ غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا: اس پر مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ تھا۔
۵۴ھ میں اہل اسلام نہر جیحون کو عبور کرتے ہوئے بخارا تک پہنچ گئے۔
۵۶ھ میں غزوۂ سمرقند پیش آیا۔

(بحوالہ رحماء بینہم و حضرت معاویہ و تاریخی حقائق)

مشاجراتِ صحابہ کرام (علیہم الرضوان)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی کے تذکرہ کے ضمن میں مسئلہ مشاجراتِ صحابۂ کرام پر یہ سطور تحریر کرتے ہوئے دل کانپ رہا ہے اور قلم تھرا رہا ہے؛ چونکہ پُل صراط کی مانند یہ مسئلہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اگر اس پرخار و پُرخطر وادی میں قدم رکھتے ہوئے ایمان و یقین کی طاقتور سواری اور عشقِ رسالت کی بے پناہ قوت سلفِ صالحین کی دینی فہم و فراست کا غیر متزلزل اعتقاد ساتھ نہ ہو تو اچھا بھلا انسان راہِ اعتدال کو چھوڑ کر افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے اور صحابہ کرامؓ کی بدگمانی کے اتنے گہرے گڑھے میں گر پڑتا ہے کہ اس سے نکلنا نہایت مشکل ہوتا ہے؛ چونکہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کے بعد اپنے فضائل و کمالات۔ محاسن و مناقب کے اعتبار سے گلشنِ انسانیت میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم کا اعزاز عطا فرمایا۔ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے انھیں دنیا ہی میں جنت کی بشارات ملیں۔ ان کی بدگوئی وعیب جوئی کی ممانعت کر دی گئی۔ اس لیئے اکابر اہلِ سنت وجماعت (جَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا بِالْخَيْرَاتِ) نے زندگی کے ایک موڑ پر اُن کے باہم الجھنے اور ٹکرانے کے لیئے ایک انوکھا عنوان تجویز کیا میری مراد ہے عنوان "مشاجرہ" اس کی جمع مشاجرات آتی ہے: اس کا معنے ہے ایک درخت کی شاخوں کا دوسرے درخت کی شاخوں سے ٹکرانا" گویا جیسے درختوں کی شاخوں کا ٹکرانا اور باہم الجھنا کسی عداوت کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ خارجی محرک و عامل (ہوا کے جھونکوں) کا اثر ہوتا ہے اور جونہی ہوا کے جھونکے ساکن ہوتے ہیں تمام شاخیں اپنے اپنے مقام و معمول پر آجاتی ہیں: اسی طرح تمام صحابہ کرام ایک ہی شجرۂ صحابیت

کی سرسبز و شاداب شاخیں ہیں۔ کسی موقع پر ان کا باہم الجھاؤ اور ٹکراؤ کسی عداوت کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ خارجی محرکات و عوامل کا اثر تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ فضا سازگار ہوتے ہی اسی اخوت و محبت کا سماں بندھ گیا ۰ اگر منصف طبع اور جویائے حق اس عنوان پر ہی ذرا غور کرے تو حقیقت تک رسائی کے لیے راستہ سہل ہو جائے : ورنہ نظریات و عقائد اعمال و اخلاق کے اعتبار سے یہ حضرات باہم متحد و متفق ہیں۔ ایک ہی نبی سے اکتساب فیض کیا اور سب کے سب ایک ہی کتاب (قرآن حکیم) کے ماننے والے اور ایک ہی دین (اسلام) کے پیروکار تھے اس مسئلہ کی اساس قطعی طور پر اختلافِ مذہب نہیں: درحقیقت خلیفۂ راشد ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مدینہ طیبہ کی مقدس سرزمین میں ناحق خون اور آپ کی دردناک مظلومانہ شہادت مشاجرات کی بنیاد بنی۔ جس سے باہم غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ مزید برآں ابنِ سبا اور اس کے پیروکاروں کی شر پسندانہ کاروائیوں اور منافقانہ سرگرمیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس طرح ہنگامی طور پر ٹھنڈے دل سے پیش آمدہ مسئلہ پر غور و فکر کر کے اسے حل کرنے کے مواقع مسدود ہو گئے : معاملہ طول پکڑتا گیا اور نوبت بقتال رسید ۰ ضروری حد تک بات کی تہ تک پہنچنے کے لیئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے حالات کو ملحوظ رکھنا لابدی ہے۔ انہی کے پس منظر میں حضرت علیؓ کی دمِ عثمانؓ سے برأت اور حضرت معاویہؓ کا طرزِ عمل سمجھ میں آسکتا ہے۔

جب سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت سبائیوں نے ادائیگی حج سے قبل مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں آکے ڈیرے لگائے تھے تو پہلے تو دو آدمیوں نے اپنے لیئے اور دوسرے لوگوں کے لیئے حضرت علیؓ سے یہ غلط بیانی کر کے مدینہ میں داخلہ کی اجازت لی تھی کہ ہماری اصل غرض تو مکۃ المکرمۃ جا کر ادائیگی حج ہے۔ مگر ہم اب حضرت عثمانؓ سے ان کے عمّال کے بارہ میں گفت و شنید کرنا چاہتے ہیں۔ مصر و کوفہ اور بصرہ سے

آئے ہوئے یہ بلوائی مدینہ طیبہ سے باہر اعوص ۔ ذوالمروہ اور ذی خشب مقامات پر ٹھہرے ہوئے تھے : اس کے بعد موقع پاکر مصریوں کے ایک گروہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا اگر آپ ہماری بیعت قبول فرمالیں تو ہم (حضرت) عثمانؓ کو معزول کرکے ان کی جگہ آپ کو خلیفہ منتخب کرلیں ۔ آپ نے جھڑک کر فرمایا کہ صحابہ کرام گواہ ہیں کہ اعوص ۔ ذوالمروہ اور ذی خشب کے مقامات کے لشکروں کے لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون کا لفظ فرمایا تھا اور ساتھ ہی آپ نے حضرت حسنؓ کو حضرت عثمانؓ کے پاس لوگوں کے اس مقصد کی اطلاع کے لیئے روانہ فرمایا تھا ۔ یہ مایوس ہوکر واپسی کے انداز میں جانے لگے ۔ صحابہ کرام کو اطمینان ہوگیا مگر واپسی کے راستہ پر تین منزل جانے کے بعد پھر واپس آگئے حضرت علیؓ نے پوچھا کہ اے اہل کوفہ و بصرہ تم کو اہل مصر کی بابت کس طرح معلوم ہوگیا تھا کہ تم سب اکٹھے ہوکر یہاں پہنچے ہو ان لوگوں نے بڑی دلیری سے کہا کہ یہ سب آپ ہی کے پیدا کردہ حالات ہیں تم ابھی تک عثمان (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہو اور وہ ابھی تک تمہارے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں ۔ ہم ان کو معزول کرکے رہیں گے حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو پتھر سے بھی سخت پایا : پھر بلوائیوں نے اہل مدینہ کو کسی مقام پر اکٹھا ہونے سے بھی روک دیا : حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کرلیا ۔ تین روز تک آپ نے مسجد میں نماز پڑھی پھر اس پر بھی قدغن لگا دی گئی ۔ جو اعتراض کرتا اسے قتل کر دیا جاتا اور پھر یہاں تک کہ خلیفۂ راشد کا پانی بھی بند کر دیا : حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ اور باغیوں کے درمیان پڑکر ظالموں کو سخت سُست بھی کہا اور انہیں واپس لوٹ جانے کے لیئے کہا مگر وہ کیسے سنتے جب ان کے ارادے ہی اچھے نہ تھے : اس محاصرہ کے دوران حضرت ابوہریرہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہم ہتھیار سجا کر کاشانۂ خلافت میں حاضر ہوئے اور باغیوں کا قلع قمع کرنے کی اجازت مانگی آپ نے خدا کا واسطہ دیکر

فرمایا کہ اپنی تلواروں کو نیام میں رکھ لو اور قتل و قتال سے باز رہو۔
جب حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پر بھی آدمی مقرر کر دیئے گئے اور باغیوں نے تاکید کر دی کہ اگر یہ مزاحمت کریں تو انھیں قتل کر دو۔ تو تینوں نے اپنے صاحبزادگان کو حضرت عثمانؓ کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ حضرت حسنؓ سب سے پہلے پہنچے اور گفتگو کی۔ حضرت نے فرمایا میرے بھتیجے آپ نے جو میرا حکم سنا ہے وہ درست ہے اسی پر عمل کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو یہ ذمہ داری سونپی کہ کاشانۂ خلافت کے صدر دروازہ پر محافظ کی حیثیت سے کھڑے رہیں تاکہ کوئی فتنہ پرداز اندر داخل ہو کر خلیفۂ راشد کو اذیت دینے کی جسارت نہ کر سکے یہ حضرات اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ گو اس دوران مجروح بھی ہوئے۔ بلوائی مکان کے عقب سے اندر پھلانگ گئے اور سیدنا عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہادت کی خبر پہنچی تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ میرے اللہ میں تیرے حضور دمِ عثمان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔
اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں نہ قتلِ عثمانؓ پر راضی تھا اور نہ میں نے اس کا حکم دیا: خلاصہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر حضرت علیؓ کی مدینہ منورہ موجودگی اور ابتدائی ایام میں بلوائیوں کی آپ کے پاس سازشی انداز میں آمد و رفت بھی حضرت معاویہؓ اور ان کے ہم خیال حضرات کے لیئے اس غلط فہمی کا موجب بنی کہ حضرت علیؓ نے سیدنا عثمانؓ کے دفاع میں تساہل سے کام لیا اور اس طرح گویا یہ سارا کھیل آپ کی زیر سرپرستی کھیلا گیا۔ بعنوان دگر حضرت علیؓ جیسے شیرِ خدا کے ہوتے ہوئے بلوائیوں کا خلیفہ کی شمعِ حیات کو گل کر دینا سیدنا معاویہؓ کی عقل و فہم میں نہ آنے والی بات تھی:
چنانچہ حضرت محمد بن یحییٰ مالکی رحمۃ اللہ علیہ "التمہید و البیان" (مترجم اردو) میں

لکھتے ہیں "کہ حضرت معاویہؓ نے سیدنا علیؓ کو خط لکھا تھا" کہ امیر المؤمنین شہید کر دیے گئے جب کہ آپ مدینہ منورہ کے اسی محلہ میں موجود تھے۔ مگر آپ نے نہ تو ان کی زبان سے مدد کی اور نہ ہاتھ سے" حضرت علیؓ نے جواباً تحریر کیا تھا" نہ میں نے ان کو قتل کیا اور نہ اس پر مائل تھا اور نہ رضامند۔

۲۔ "علامہ علی بن علی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے غلط فہمی کے سلسلہ میں ایک اور بات بھی تحریر فرمائی" لکھتے ہیں:

فان عثمان رضی اللہ عنہ لما قتل کثر الکذب والافتراء علی عثمان وعلیٰ من کان بالمدینۃ من اکابر الصحابۃ کعلی وطلحۃ والزبیر وعظمت الشبھۃ عند من لم یعرف الحال وقویت الشھوۃ فی نفوس ذوی الاھواء والاغراض ممن بعدت دارہ من اھل الشام۔ (شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ ص ۲۳۷ ج ۲)

ترجمہ: "جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو (سبائیوں کی کی طرف سے) ان پر اور مدینہ منورہ کے اکابر صحابہ کرام جیسے حضرت علیؓ وحضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ پر کذب وافتراء کی بھرمار ہوگئی اور ان لوگوں میں جو اصل صورتِ احوال سے پوری طرح واقف نہ تھے شکوک وشبہات پیدا ہوگئے اور اہلِ شام جن کے گھر دور دراز تھے ان میں سے اغراض پرستوں کے قلوب میں خواہشات نے زور پکڑ لیا"۔

عبارت مذکورہ بالا سے واضح ہوا کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنہ پرداز بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور مدینہ منورہ میں موجود اکابر صحابہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق جھوٹی روایات اور بے سروپا

باتیں اسی لیے پھیلائیں تاکہ یہ باہم متصادم ہوں اور قاتلینِ عثمان کے چہروں پر نقاب پڑا رہے۔

۳۔ اکبر شاہ نجیب آبادی تاریخ اسلام جلد ۱ میں رقمطراز ہیں" حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ایک ہفتہ بعد ۲۵ ذالحجہ ۳۵ھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر مدینہ منورہ میں بیعت عام ہوئی۔ شہادت عثمانی کے بعد مدینہ منورہ میں قاتلین عثمانؓ کا ہی زور تھا۔ انہوں نے اول اہل مدینہ کو ڈرا دھمکا کر انتخاب خلیفہ کے کام پر آمادہ کیا۔ بلوائیوں میں زیادہ تعداد حضرت علیؓ کی جانب مائل تھی۔ اہل مدینہ کی بھی حضرت علیؓ کے متعلق کثرتِ رائے تھی۔ لوگ جب حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے لیے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ تو مجھ کو خلیفہ منتخب کرتے ہو لیکن تم لوگوں کے انتخاب کرنے سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ اصحاب بدر مجھ کو خلیفہ تسلیم نہ کریں۔ یہ سن کر لوگ اصحاب بدر کی طرف گئے اور جہاں تک ممکن ہوا ان کو جمع کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لائے۔ سب سے پہلے مالک اشتر نے بیعت کی۔ اس کے بعد اور لوگوں نے ہاتھ بڑھائے اس کے بعد تحریر کرتے ہیں" حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں اگلے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ہم نے تو بیعت اسی شرط پر کی ہے کہ آپ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیں: اگر آپ نے قصاص لینے میں تامل فرمایا تو ہماری بیعت فسخ ہو جائے گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں قاتلین عثمانؓ سے ضرور قصاص لوں گا اور حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں پورا پورا انصاف کروں گا لیکن ابھی تک بلوائیوں کا زور ہے اور امر خلافت پورے طور پر مستحکم نہیں ہوا ہے میں اطمینان و سہولت حاصل ہونے پر اس طرف توجہ کروں گا۔ فی الحال اس معاملہ میں کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں صاحب حضرت علیؓ کی گفتگو سن کر اور اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے آئے۔ لیکن لوگوں میں اس کے متعلق سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں قاتلینِ عثمانؓ

اور بلوائیوں کو تو یہ فکر ہوئی کہ اگر قصاص لیا گیا تو پھر ہماری خیر نہیں ہے (مزید تحریر کرتے ہیں) بیعت خلافت کے تیسرے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حکم دیا کہ کوفہ و بصرہ و مصر وغیرہ ممالک اور دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے تمام اعراب واپس چلے جائیں۔ اس حکم سنکر عبداللہ بن سبا اور اس کی جماعت کے لوگوں نے واپس جانے اور مدینہ کو خالی کرنے سے انکار کر دیا اور اکثر بلوائیوں نے ان کا اس انکار میں ساتھ دیا" (چند سطور کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے تیسرے۔ چوتھے ہی دن حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے تمام عاملوں اور والیوں کی معزولی کا فرمان لکھوایا"

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں۔

وذکر سیف بن عمر عن جماعۃٍ من شیوخہ قالوا بقیت المدینۃ خمسۃ ایام بعد مقتل عثمان وامیرھا الغافقی عن حرب یلتمسون من یجیبھم الی القیام بالامر والمصریون یلحون علی علی وھو یھرب منھم الی الحیطان ویطلب الکوفیون الزبیر فلا یجدونہ والمصریون یطلبون طلحۃ فلا یجیبھم فقالوا فیما بینھم لا نولی احدًا من ھؤلاء الثلثۃ فمضوا الی سعد بن ابی وقاص فقالوا انک من اھل الشوریٰ فلم یقبل منھم ثم راحوا الی ابن عمر فابی علیھم فحاروا فی امرھم ثم قالوا ان نحن رجعنا الی امصارنا بقتلِ عثمان من غیر امرۃ اختلف الناس فی امرھم ولم تسلم۔ فرجعوا الی علی فالحوا علیہ۔ (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۶ ج ۷)

ترجمہ: سیف بن عمر اپنے اساتذہ کرام کی ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں کہ شہادت عثمانؓ کے پانچ ایام بعد تک غافقی بن حرب امیر مدینہ رہا یہ لوگ ایسے شخص کو تلاش کر رہے تھے جو نظامِ خلافت سنبھالنے

سے متعلق ان کی پیشکش کو قبول کرے۔ مصری لوگ حضرت علیؓ پر اصرار کرتے تھے اور آپ یہ سنکر باہر باغات کی طرف بھاگ جاتے تھے۔ کوفی حضرت زبیرؓ کو تلاش کرتے مگر وہ ملتے نہ تھے اور بصری حضرت طلحہؓ کو خلیفہ بنانے کے خواہش مند تھے۔ مگر وہ بھی اس پر تیار نہ ہوتے۔ اب یہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم ان تینوں میں سے کسی کو خلیفہ نہیں بناتے۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اہل شوریٰ میں سے ہیں۔ آپ نے بھی ان کی بات ٹھکرا دی۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ ہوئے۔ انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا۔ یہ لوگ اپنے معاملہ میں بڑے حیرت زدہ تھے کہنے لگے (خلیفہ کا انتخاب تو کرنا ہی ہے) کیونکہ ہم اگر قتلِ عثمانؓ کا داغ لے کر اپنے اپنے شہروں کی طرف لوٹے جبکہ خلیفہ کا چناؤ نہیں ہوا اور لوگوں نے اس بارہ میں اختلاف کیا تو ہم نہیں بچ سکیں گے (لوگوں کی پوری توجہ ہم پر مرکوز ہو جائے گی کہ خلیفہ کو شہید کر کے امتِ مسلمہ کا شیرازہ بکھیرنے کے یہی لوگ ذمہ دار ہیں) اس لیئے خلیفہ کا چناؤ بہر حال ضروری ہے۔ جب ہم لوگ نئے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے تو ہم سے انتقام کا جذبہ سرد پڑ جائے گا) تب یہ سب لوٹ کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور اصرار کر کے انھیں بیعت لینے پر آمادہ کر لیا انتھیٰ۔

علاوہ ازیں پہلے گذر چکا کہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کی گفتگو کے جواب میں سیدنا علیؓ نے نظامِ خلافت کے مستحکم ہونے پر قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے سے متعلق اپنے پختہ عزم کا اظہار فرمایا تھا یہ سنکر بصائی پہلے سے زیادہ اس بات کے لیے سرگرم عمل ہو گئے کہ نظام خلافت اب مستحکم نہ ہونے پائے ورنہ خلیفہ وقت ضرور اپنے عزم کی تکمیل فرمائیں گے۔

تبھی تو حضرت علیؓ کے حکم کے باوجود ابن سبا اور اس کی جماعت نے اپنے اپنے شہروں کی طرف جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اب دمِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ زور پکڑے گا۔ لہذا بچاؤ کا راستہ یہی ہے کہ لشکرِ علیؓ میں شامل ہو کر آپ کی عسکری قوت کا ایک معتد بہ حصّہ بن جائیں کہ پھر ہم پر ہاتھ ڈالتے ہوئے خلیفۂ وقت کو سو چنا پڑے اور ہم دوست نما دشمن کے بھیس میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں تاکہ از سرِ نو اہلِ اسلام کی شیرازہ بندی نہ ہونے پائے۔

بہر حال یہ تمام چیزیں حضرت علیؓ کے متعلق غلط فہمی کا موجب ہوئیں اور سیّدنا حضرت معاویہؓ نے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور ان کی اطاعت کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ سیّدنا معاویہؓ کی دیانت دارانہ اجتہادی رائے اور مؤقف یہ تھا کہ چونکہ قاتلینِ عثمانؓ کا گروہ آپ کے لشکر میں شامل ہے اور اس طرح آپ کی ان کو پشت پناہی حاصل ہے لہذا جب تک آپ دمِ عثمانؓ کا قصاص نہ لیں گے۔ ہم آپ کی بیعت کرنے پر بالکل تیار نہیں ہیں۔

سیدنا معاویہؓ چونکہ سیّدنا عثمان ذوالنّورین رضی اللہ عنہ کے برادر عم زاد تھے اور امام مظلوم حضرت عثمانؓ بھی چونکہ معمولی شخصیت کے مالک نہ تھے اور پھر چالیس ایام تک بھوکا پیاسا رکھ کر نہایت کرب ناک انداز میں مدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفاً وکرماً) کی سرزمین رشکِ خُلدِ بریں کو آپ کے ناحق خون سے لالہ زار کیا جانا کوئی معمولی سانحہ نہ تھا کہ جو عالم پر دور رس اثرات مرتب نہ کرتا۔ جس سے حرمِ نبوت کی عزت و آبرو کو پامال کیا گیا مسلمانوں کی سیاسی، اجتماعی قوت پاش پاش ہو گئی، پوری اسلامی دنیا پر رنج و غم کے بادل چھا گئے، اللہ کی تلوار نیام سے نکل آئی، خلافت راشدہ کا نظام مختل ہو گیا تو ایسی صورتِ احوال میں حضرت عثمانؓ کے حضرت معاویہؓ جیسے قریبی حضرات کے قلبی جذبات میں تلاطم و تموج ایک فطری امر تھا۔ یہ ایک ایسا نازک مرحلہ ہوتا ہے کہ اگر واقعہ کی سچّی تصویر کسی وجہ سے

اوجھل ہو جائے اور مقتول کے اعزہ و اقربا کے جذبات کے دھارے غلط رخ اختیار کر لیں تو معاشرہ کی پُرامن فضا مکدّر ہوئے بغیر نہیں رہتی دوسری طرف سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی ان مجبوریوں کا صحیح طور پر اندازہ نہ کر سکے جو انہیں ایّام محاصرہ میں حضرت عثمانؓ کی طرف سے حلف دے دیکر بلوائیوں کے ساتھ تصادم اور شہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کرنے کی شدید ممانعت سے پیش آئیں اور ان خطرات کو نہ بھانپ سکے جو فوری طور پر قصاص لینے کی صورت میں پیش آتے : سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا دامن امام مظلوم سیّدنا عثمانؓ کے قاتلوں کی سرپرستی سے پاک تھا۔

سیدنا عثمانؓ کی زندگی کی آخری اداؤں سے بس ایسا لگتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہدایت ترجمان سے سنی ہوئی پیشینگوئیوں کے مطابق اسی لیلائے شہادت سے ہم آغوش ہونے کے مشتاق ہیں جس کے لیے عرصہ سے بے تاب و مضطرب تھے :

جان ہی دیدی غنیؓ نے آج کوئے یار میں
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص سے متعلق دیانت دارانہ موقف کیا تھا ۔ اس پر حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے روشنی پڑتی ہے جو انہوں نے اس وقت فرمائی جب سیدنا علیؓ نے ان کو بصرہ روانہ کیا تاکہ حضرت عائشہ و حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے خیالات معلوم کر کے انھیں باہمی افہام و تفہیم کے ذریعہ صلح و آشتی کی طرف مائل کریں تاکہ کشت و خون نہ ہو (یہ جنگ جمل کے موقع کا واقعہ ہے) ۔

اکبر شاہ نجیب آبادی نے اپنی "تاریخ اسلام" جلد اول صفحہ ۳۹۵ پر اس کو نقل فرمایا ہے ۔ حضرت قعقاعؓ صحابیِ رسول کبھرہ پہنچ کر مذکور الصدر بزرگوں سے ملاقات فرمائی۔

ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آپ کیسے یہاں تشریف لائیں اور کیا چاہتی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میرا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ان کو قرآن پر عامل بنانا ہے (مقصد یہی تھا کہ دمِ عثمانؓ کا قصاص لیا جانا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کی اصلاح ہو اور فساد و خوں ریزی نہ ہو) حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے بھی دریافت کرنے پر یہی مدعا عرض فرمایا۔ حضرت قعقاعؓ نے جواباً فرمایا اگر آپ حضرات کا منشا اصلاح اور عمل بالقرآن ہے تو یہ مقصد اس طرح پورا نہ ہو سکے گا۔ جیسے آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اُن حضرات نے فرمایا کہ قرآن کریم میں قصاص کا حکم ہے۔ ہم خونِ عثمانؓ کا قصاص لینا چاہتے ہیں؛ حضرت قعقاعؓ نے فرمایا اس طرح قصاص کہاں لیا جاتا ہے۔ دیکھئے اول تو امامت و خلافت کا قیام و استحکام ضروری ہے۔ تاکہ امن و امان قائم ہو۔ اس کے بعد ہی قاتلین سے قصاص لیا جا سکتا ہے لیکن جب امن و امان اور ملکی نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے تو ہر شخص کہاں اس کا مُجاز ہے کہ قصاص لے۔ دیکھو یہیں بصرہ میں آپ نے بہت سے آدمیوں کو قصاص عثمانؓ میں قتل کر دیا۔ لیکن حرقوص بن زہیر آپ کے ہاتھ نہ آیا آپ نے اس کا تعاقب کیا تو چھ ہزار آدمی اس کی حمایت میں جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر آپ نے مصلحتاً اس کا تعاقب چھوڑ دیا اسی طرح حضرت علیؓ اگر مصلحتاً فتنہ کو فرو کرنے اور طاقت حاصل کرنے کے انتظار میں مجبوراً فوری طور پر قصاص نہ لے سکے تو آپ کو انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ آپ کے لیے بالکل مناسب نہ تھا کہ آپ خود کھڑے ہو جائیں۔ اگر ہم آپس میں تصادم کی پالیسی اختیار کریں گے پھر تو فتنہ ترقی کرے گا مسلمانوں میں خوں ریزی ہو گی اور قاتلین عثمانؓ قصاص سے بچ جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ایک نہایت زیرک و دانا حضرت قعقاعؓ نے آخر میں بڑے درد دل کے ساتھ فرمایا۔ میرے بزرگو! اس وقت سب سے بڑی اصلاح اور فتح مندی یہی ہے کہ دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں باہم صلح کر لو۔ تاکہ مسلمانوں کو امن و عافیت حاصل ہو اور

قاتلین عثمانؓ کے تمام ناپاک ارادے خاک میں مل جائیں۔ آپ حضرات تو بھلائی کی چابیاں اور ہدایت کے ستارے ہیں: براہِ کرم آپ ہم لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالیں ورنہ تمہیں بھی آزمائشوں سے گذرنا ہوگا اور امت مسلمہ کو بڑا نقصان پہنچے گا:

حضرت قعقاعؓ کی گفتگو کا تینوں بزرگوں پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ فرمانے لگے کہ اب تک ہم یہی سمجھتے رہے کہ چونکہ قاتلینِ عثمانؓ حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہیں اس لیے ان کے ساتھ آپ کو ہمدردی ہوگی۔ حضرت قعقاعؓ نے فرمایا۔ میرے مہربان بزرگو: میں نے حضرت علیؓ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے: حضرت علیؓ حضرت قعقاعؓ کی زبانی پوری رپورٹ سن کر بڑے خوش ہوئے اور اپنے لشکر میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ محاصرۂ عثمانی میں شریک تھے۔ وہ ہمارے ساتھ بالکل کوچ نہ کریں ہمارے لشکر سے جدا ہو جائیں۔ مگر بلوائیوں کا ایک حصہ ملا جلا رہا اور ایک حصّہ لشکر سے الگ ہو کر قریب قریب چلتا رہا" یہ تھا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مؤقف جو آپ کے ترجمان حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ابھی گذرا۔

دوسرے الفاظ میں اس کو تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عائشہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ ایسے اکابر کے سامنے حضرت قعقاعؓ نے اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کی اہمیت سے سیّدنا علیؓ بھی غافل نہیں۔ لیکن آپ حضرات نے بیعت اور تجدید بیعت کر کے اگر حکومت کو استحکام نہ بخشا تو مسلمانوں کے باہمی خلفشار سے باغیوں کو فائدہ ہوگا۔ اس لیئے ہمیں چاہیے کہ اپنی قوت کو متحد کریں۔ اس سے باغیوں کی جماعت مرعوب ہوگی اور ان سے قصاص لینا ممکن ہو سکے گا:

سیّدنا معاویہؓ اپنے موقف پر قائم رہے۔ اور حضرت علیؓ کی بیعت کر کے ان کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا اور معزولی کے حکم کو کوئی وقعت نہ دی حضرت علیؓ نے ان کے خلاف جنگِ جمل سے فارغ ہو کر لشکر کشی کی۔ اور جنگ صفین کا دوسرا عظیم حادثہ پیش آیا

(چونکہ مقصد جنگ جمل وصفین کے تفصیلی حالات کو بیان کرنا نہیں ہے۔ اس لیے اسی قدر معلومات پر اکتفاء کیا گیا ہے) اس ضمن میں یہ حقیقت کبھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ دونوں جنگوں میں صحابہ کرام اور ان کے مخلص طرفداروں کا یہ اختلاف پوری دیانت داری اور نیک نیتی کے ساتھ تھا جس میں اغراض پرستی و اقتدار پروری کا جذبہ بالکل کارفرما نہ تھا۔ دونوں طرف اجتہادی شان نمایاں تھی اپنے صحیح علم ورائے پر ہر فریق قائم تھا لیکن دونوں میں سے کس کا اجتہادی مؤقف صائب (درست) تھا اور کس سے اجتہادی خطا ہوئی: اس بارہ میں گو بعض حضرات نے توقف کیا ہے مگر جمہور فقہاء و محدثین اور قرآن وسنت کے ماہرین کا قول یہ ہے کہ سیدنا علیؓ ان تمام جنگوں میں حق وصواب پر تھے اور سیدنا معاویہؓ اور انکے ہم خیال حضرات خطا پر تھے: ہم ذیل میں علمائے امت کی اس مسئلہ سے متعلق آراء نقل کرتے ہیں شیخ العرب والعجم مولانا السید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اسی وجہ سے ائمہ اہل سنت و جماعت مشاجرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خطاء اجتہادی قرار دیتے ہیں۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے ارتکاب اکل شجرہ کو ارشاد "فنسی ولم نجد له عزمًا" ذنب خفیف اور غیر موجب مواخذہ اور داخل فی العصمۃ قرار دیتا ہے تو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مشاجرات کو ان کے آیات اور احادیث صحیحہ کیوں نہ ہلکی اور غیر موجب مواخذہ اور داخل فی المحفوظیت قرار دیں گی؟ اور کیوں نہ ان کے دامن کو خطاء اجتہادی قرار دیکر منزہ اور پاک سمجھا جائے گا: محترما! صحابہ کرام میں جو بھی کمالات اور بھلائیاں ہیں خواہ از قسم علم ہوں یا از قسم عمل وہ سب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل اور آپ کے اتباع ہی سے ہیں (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۳۷ جلد سوم)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نبراس ص ۳۰۷ پر سبائیوں کی تعداد اور حضرت علیؓ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وتوقف علی الیٰ ان یستقر امر الخلافۃ فان البغاۃ کانوا جمعًا عظیمًا نحوا ربعۃ اٰلاف بل قیل نحو عشرین الفًا۔

اور حضرت علیؓ نے امر خلافت کے منظم ہونے تک باغیوں سے قصاص لینے میں توقف فرمایا۔ کیونکہ باغیوں کی ایک بڑی جماعت تھی چار ہزار کی تعداد میں بلکہ ایک قول بیس ہزار کے لگ بھگ کا ہے۔

حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر ص ۱۰۱/۱۰۲ پر (ولا نذکر الصحابۃ الا بخیر) کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

یعنی وان صدر من بعضھم بعض ما ھو فی الصورۃ شرّ فانہ اما کان عن اجتھاد ولم یکن علی وجہ فساد من اصرار وعناد بل کان رجوعھم عنہ الی خیر معاد بناء علی حسن الظن بھم ولقولہ علیہ السلام (خیرُ القُرونِ قَرْنِیْ) ولقولہ علیہ الصّلوٰۃ والسلام (اذا ذکر اصحابی فامسکوا۔)

اور ہم صحابہ کا ذکر بھلائی سے ہی کرتے ہیں۔ گو ان میں سے بعض سے ایسے افعال سرزد ہوئے جو صورۃً شر نظر آتے ہیں سو وہ اجتہاد سے سرزد ہوئے اصرار اور عناد کی شکل میں فساد کی نیت سے نہ تھے بلکہ ان حضرات کا ایسے بعض افعال سے خیر کے پہلو کی طرف رجوع ثابت ہے اس عقیدہ کی بناء صحابہ کرام کے ساتھ حسنِ ظن ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی ہیں کہ سب قرنوں سے بہتر میرا قرن ہے: اور جب میرے صحابہ کا تذکرہ ہو تو ان کی بدگوئی سے زبان کو روکو۔

حضرت علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا وضاحت سے ان لوگوں کی بھی تردید

ہوگئی جو حضرت معاویہؓ اور ان کے مخلص رفقاء کی خطا کو خطائے اجتہادی کی بجائے خطائے عنادی کہتے ہیں علامہ پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے ان محاربات کے بارہ میں کئی مذاہب نقل کیے ہیں لکھتے ہیں:

ثم ان اهل القبلة فی تلك الحروب علی مذاهب فمذهب الهشامیة من المعتزلة ان الکل کذب ونعم المذهب هذا لولا تواتر الاخبار بها وذهب العمریة والواصلیة من المذهب من المعتزلة الی ان الفریقین فاسقان وذهب الخوارج الی ان الفریقین کافران وذهب الروافض الی ان من قاتل علیًا فهو کافر وقال اهل السنة کان الحق مع علیؓ وان من حاربه مخطئ فی الاجتهاد فهو معذور۔

(نبراس شرح شرح العقائد ص ۳۰۷)

اور ان لڑائیوں کے بارہ میں اہلِ قبلہ کئی مذہب رکھتے ہیں[۱] معتزلہ میں سے ہشامیہ فرقہ تو کہتا ہے کہ یہ قصے ہی سارے جھوٹ ہیں اور یہ مذہب اچھا تھا اگر ان واقعات کا ثبوت متواتر نہ ہوتا۔ اور[۲] معتزلہ میں سے عمریہ اور واصلیہ گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ دونوں فریق فاسق ہیں۔ اور[۳] خارجی ٹولہ کہتا ہے کہ دونوں فریق کافر ہیں

اور[۵] روافض (شیعہ) کہتے ہیں کہ جس نے بھی حضرت علیؓ سے جنگ کی وہ کافر ہے ان[۶] سب کے مقابلہ میں اہلِ سنت فرماتے ہیں کہ ان لڑائیوں میں علیؓ حق پر تھے اور ان سے لڑنے والے خطا کرنے والے مجتہد تھے جو (عنداللہ) معذور ہیں:

آگے لکھتے ہیں:

وان کلا من الفریقین عادل صالح ولا یجوز الطعن فی احد منهم للاحادیث المشهورة فی مدح الصحابه والنهی عن سبّهم وهذا هو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال:

اور یہ دونوں فریق عادل و صالح ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی طعن کرنا جائز نہیں چونکہ صحابہ کرام کی مدح میں اور ان کی برائی سے رکنے کے بارہ میں احادیث مشہور ہیں بس یہی حق مسلک ہے: اس کے بعد تو گمراہی ہی ہے۔

شارحِ مسلم شریف علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وکان علی رضی اللّٰہ عنه هو المحق المصیب فی تلك الحروب هذا مذهب اهل السنة (شرحِ مسلم نووی جلد ثانی کتاب الفتن ص۳۹۰)

اور ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق و صواب پر تھے۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

علامہ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں:

فبهذا قطعنا علی صواب علی رضی اللّٰہ عنه وصحة امامته وانه صاحب الحق وان له اجرین اجر الاجتهاد و اجر الاصابة وقطعنا ان معاویة ومن معه مخطؤن مجتهدون ماجورون اجرًا واحدًا (الفصل فی الملل والنحل ص۶۱)

پس اس بناء پر ہم یقین کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ درستی پر تھے اور آپ کی امامت صحیح تھی اور آپ ہی صاحب حق تھے اور آپ کے لیے دو اجر ہیں ایک اجتہاد کا دوسرا اس میں درستی کو پا لینے کا اور ہم یقین سے کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اور آپ کے رفقاء خطاء پر تھے۔ مجتہد تھے اور خطائے اجتہادی کی بناء پر ایک اجر کے مستحق ضرور ہیں!

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی نزاکت واہمیت اور فریقین کے صحابہ کرام اور ان کے مخلص طرف داروں کے متعلق تشریح کرتے ہوئے احسن انداز میں لکھتے ہیں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ میں سے ہیں اور ان دس خوش نصیب حضرات میں آپ کا بھی نام ہے جن کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر ان کے جنتی ہونے کی خوشخبری دی ہے اور جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے ان دونوں حضرات نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لیئے حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا اور اسی دوران شہید ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ احادیث میں ان دونوں حضرات کو شہید قرار دیا۔ دوسری طرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علیؓ کے سرگرم ساتھیوں میں سے تھے۔ اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کا مقابلہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیئے بھی شہادت کی پیشگوئی فرمائی۔ غور کیا جائے تو یہی ارشاد اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان جنگوں میں کوئی فریق بھی کھلے باطل پر نہ تھا بلکہ ہر فریق اللہ کی رضا کے لیئے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر رہا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ اختلاف کھلے حق و باطل کا اختلاف ہوتا تو ہر ایک فریق کے رہنماؤں کے لیئے بیک وقت شہادت کی پیشگوئی نہ فرمائی جاتی۔ ان ارشادات نے واضح کر دیا کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیئے لڑ رہے تھے۔ اس لیے وہ بھی شہید ہیں اور حضرت عمارؓ کا مقصد بھی رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس لیے وہ بھی لائق مدح وستائش ہیں۔ دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہیں بلکہ اجتہاد و رائے کی بنا پر تھا۔ اور ان میں سے کسی بھی فریق کو مجروح و مطعون نہیں کیا جا سکتا (مقام صحابہ ص ۹۶)۔

مزید لکھتے ہیں "خصوصاً یہ سوال ان معاملات میں زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جن میں ان حضرات کا اختلاف باہمی جنگ و خوں ریزی تک پہنچ گیا۔ ان میں ظاہر ہے کہ کوئی ایک

فریق حق پر ہے اور دوسرا خطا پر۔ اس خطاء وصواب کے معاملہ کو طے کرنا عمل وعقیدہ کے لیے ضروری ہے مگر اس صورت میں دونوں فریق کی یکساں تعظیم واحترام کیسے قائم رکھا جاسکتا ہے؟ جس کو خطا پر قرار دیا جائے اس کی تنقیص ایک لازمی امر ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطا یا مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازم ہے۔ اسلافِ امت نے ان دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لیے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا۔ لیکن جس کے قول کو ترک کیا اس کی ذات یا شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو۔ خصوصاً مشاجراتِ صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کا مقابلہ کرنے والے خطاء پر۔ اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب خطا پر: البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطا قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو: بلکہ اصولِ اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطا ہوگئی تو ایسے خطا کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے۔ ایک اجر ان کو ملتا ہے۔ (مقام صحابہ ص ۸۹/۹۰)

علامہ علی بن علی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیہ ص ۲۳۷ ج ۲ پر تحریر کرتے ہیں:

"فالخلافة ثبتت لامیر المومنین علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ بعد عثمان رضی اللہ عنہ بمبایعة الصحابة سوی معاویة مع اھل الشام والحق مع علی رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت معاویہؓ اور اہل شام کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کی بیعت سے ثابت ہوئی ہے۔ اور حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا (اور حضرت معاویہؓ اور ان کے طرفدار خطا پر)

خاتم المحدثین محقق العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ افادات انوار الباری اردو شرح صحیح البخاری جلد نمبر ۲ صـ۴۷ پر تحریر ہے: "اس کے بعد یہ امر کہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں سے کون حق پر تھا؟

اس کے بارہ میں محقق طبری وغیرہ نے تو سکوت کیا ہے۔ لیکن جمہور علماء و محققین نے فیصلہ دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حق پر تھے کیونکہ وہی اس وقت تمام صحابہ میں خلافت کے زیادہ احق و اہل تھے۔

محدث کبیر حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "خلافۃ راشدہ" صـ۱۷۰ پر تحریر کرتے ہیں: "حضرت معاویہؓ کا حضرت علیؓ سے اختلاف استحقاقِ خلافت کی بنا پر نہ تھا۔ حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کی افضلیت اور استحقاق خلافت سے ہرگز ہرگز انکار نہ تھا وہ بیعت کے لیے بالکل تیار تھے معاملہ صرف قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کا تھا۔ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی خلافت اور حکومت تسلیم کرنے سے پہلے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے اور حضرت علیؓ بیعت اور تسلیم حکومت کو مقدم سمجھتے تھے۔ ہر ایک مجتہد تھا۔ اور اپنی اپنی جگہ ہر ایک نیک نیت تھا۔ باغیوں کی سرکوبی کو ہر کوئی ضروری سمجھتا تھا۔ معاذ اللہ حضرت علیؓ باغیوں کے حامی نہ تھے۔ صرف وقت کے منتظر تھے۔ نیز یقینی طور پر کوئی متعین شخص ایسا نہ تھا کہ جس کو پکڑ کر قتل کر ڈالیں۔ بلکہ ایک بلوائے عام کی شکل تھی (آگے صـ۱۷۲ پر لکھتے ہیں) کہ حضرت معاویہؓ اور دیگر صحابہ کرام کا حضرت عثمانؓ کی جوش محبت میں پیمانہ صبر لبریز تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہوش ان کے جوش

پر غالب تھا۔ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا صدمہ حضرت معاویہؓ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ صدمہ میں دونوں ہی برابر کے شریک تھے۔ فرق اتنا تھا کہ کسی پر جوش غالب تھا اور کسی پر ہوش غالب تھا (آگے صـ ۲۱۱ پر) لکھتے ہیں کہ "حضرت معاویہؓ اس صلح سے پیشتر اگرچہ بظاہر باغی تھے۔ مگر خطائے اجتہادی کی وجہ سے یہ نہیں کہا سکتا کہ قصداً کسی گناہ کبیرہ کے مرتکب تھے۔

حافظ الحدیث علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح البخاری صـ ۶۷ ج ۱۳ پر لکھتے ہیں:

"وذهب جمهور اهل السنة الى تصويب من قاتل مع علي لامتثال قوله تعالىٰ (وان طائفتان من المومنين اقتتلوا) الاية ففيها الامر بقتال الفئة الباغية وقد ثبت ان من قاتل عليًا كانوا بغاة وهؤلاء مع هذا التصويب متفقون على انه لا يذم واحد من هؤلاء بل يقولون اجتهدوا فاخطئوا وذهب طائفة قليلة من اهل السنة وهو قول كثير من المعتزله الى ان كلا من الطائفتين مصيب"

ترجمہ: اور جمہور اہل سنت حضرت علیؓ کی حمایت میں قتال کرنے والوں کی تصویب کی طرف گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قول (وان طائفتان من المؤمنین) والی آیت کے اتباع کی بنا پر جس میں باغی گروہ سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ کے خلاف قتال کرنے والے (ظاہراً وصورۃً) باغی تھے۔ مگر اس کے باوجود جمہور اہل سنت اس پر بھی متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی برائی نہیں کی جا سکتی بلکہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے اجتہاد میں

غلطی ہوئی اور اہل سنت کا ایک قلیل گروہ اور فرقہ معتزلہ کی کثرت اس طرف گئی ہے کہ دونوں فریق درستی پر تھے"

علامہ ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ البدایۃ والنہایۃ ص ۲۶۶ ج ۸ پر تحریر کرتے ہیں:

"وبان بذلك ان عليًا محق وان معاوية باغٍ"

ترجمہ: اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ (صورۃً) باغی تھے۔

اور ص ۲۷۹ ج ۸ پر لکھتے ہیں:

"وهذا هو مذهب اهل السنة والجماعة ان عليًا هو المصيبُ وان كان معاوية مجتهدًا وهو ماجورٌ انشاء الله تعالىٰ ولكن علي هو الامام فله اجران كما ثبت في صحيح البخاري من حديث عمرو بن العاص ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا اجتهدَ الحاكم فاصاب فله اجران واذا اجتهد فاخطأ فله اجرٌ"

ترجمہ: اور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت علیؓ صواب پر تھے اگرچہ حضرت معاویہؓ بھی مجتہد تھے اور وہ انشاء اللہ اجر پائیں گے۔ لیکن حضرت علیؓ امام برحق تھے۔ ان کے لیئے دو اجر ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حاکم اجتہاد کرے اور درستی کو پائے تو اس کے لیئے دوگنا اجر ہے اور اگر خطا کر جائے تو اس کے لیئے ایک اجر ہے۔

اس مقام پر وضاحت کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے استحقاقِ خلافت اور ان کے اپنے سے افضل ہونے کی بابت اختلاف بالکل نہ

تھا ۔ وہ حضرت علیؓ کو اپنے سے زیادہ مستحق خلافت اور فضائل و مناقب میں اپنے سے برتر سمجھتے تھے ۔ اختلاف کی اساس قاتلین عثمانؓ سے قصاص کا مسئلہ تھا ۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۵۹ ج ۸ پر تحریر کرتے ہیں :

"وخرج ابو الدرداء وابو امامة فدخلا علیٰ معاویه فقالا له یا معاویة علیٰم تقاتل هٰذا الرجل فوالله انه اقدم منك وابیك اسلامًا واقرب منك الی رسول الله صلی الله علیه وسلم واحق بهذا الامر منك ۔ فقال اقاتله علی دم عثمان وانه اٰوی قتلته فاذهبا الیه فقولا له فلیقدنا من قتلته عثمان ثم انا اول من بایعه من اهل الشام فذهبا الی علی فقالا له ذٰلك فقال هٰؤلاء الذین تریان فخرج خلق کثیر فقالوا کلنا من قتلته عثمان فلیر منا قال فرجع ابو الدرداء ابو امامة فلم یشهد الهم حربًا ۔"

ترجمہ : اور حضرت ابو الدرداء و ابو امامہ رضی اللہ عنہما چلے اور حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے ۔ دونوں نے ان کو کہا اے معاویہؓ آپ کس بنیاد پر اس شخص (حضرت علیؓ) سے قتال کرتے ہیں ۔ خدا کی قسم وہ آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام لانے کے اعتبار سے سابق ہیں اور آپ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھتے ہیں اور امر خلافت کے آپ سے زیادہ حقدار ہیں ۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا (یہ باتیں درست ہیں) لیکن ان سے حضرت عثمانؓ کے خون پر قتال کرتا ہوں اور انہوں نے قاتلین کو پناہ دے رکھی ہے ۔ آپ دونوں حضرات ان کے پاس جاؤ

اور کہو کہ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لیں پھر اہل شام میں سب سے پہلے میں ان کی بیعت کروں گا۔ یہ حضرات حضرت علیؓ کے پاس گئے اور یہ بات پہنچائی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا آپ دیکھ رہے ہیں ان لوگوں کی کتنی بڑی جماعت ہے۔ پس بہت ساری جماعت نکل آئی۔ اور کہنے لگے ہم سب قاتلینِ عثمان ہیں۔ تو ہم سے کوئی نمٹ لے (راوی) کہتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداء و حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما واپس ہو گئے اور شریکِ قتال نہ ہوئے۔

یحییٰؒ بن سلیمان جو امام نجاریؒ کے مشائخ میں سے ہیں۔ کتاب صفین میں سند جید کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابو مسلم خولانی ایک وفد کے ہمراہ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور فرمایا:

"انت تنازع علیًا فی الخلافة اَوَ اَنْتَ مثلهٗ قال لا وانی لاعلم انه افضل منی واحق بهذا الامر ولکن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلومًا وانا ابن عمه وولیه اطلب بدمه فائتوا علیًا فقولوا له یدفع لنا قتلته عثمان فاتوه فکلموه فقال یدخل فی البیعة ویحاکم الی فامتنع معاویة (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۳ ص ۹۶)

ترجمہ: آپ کا حضرت علیؓ سے خلافت میں نزاع ہے تو کیا آپ ان کے ہم پلہ و برابر ہیں؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا نہیں۔ میں تو یقیناً ان کو اپنے سے افضل اور امر خلافت کا اپنے سے بہت زیادہ حقدار جانتا ہوں لیکن کیا آپ حضرات نہیں جانتے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم شہید کر دیے گئے اور میں ان کا چچازاد برادر اور وارث ہوں۔ میں ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ

کرتا ہوں آپ حضرات حضرت علیؓ کے پاس جا کر عرض کریں کہ قاتلین عثمانؓ کو ہمارے سپرد کر دیں : وفد نے جا کر گفتگو کی تو آپ نے جواباً فرمایا کہ پہلے معاویہؓ میری بیعت میں داخل ہوں اور (پھر) میرے پاس مقدمہ دائر کریں حضرت معاویہؓ نے اس سے گریز کیا "

علامہ تفتازانیؒ شرح عقائد میں لکھتے ہیں :

"وما وقع من المخالفات والمحاربات لم یکن عن نزاع فی الخلافة بل عن خطأ فی الاجتهاد "

ترجمہ : اور جو نزاعات و محاربات فریقین میں واقع ہوئے ۔ وہ (حضرت علیؓ) کی خلافت میں نزاع کی بنا پر نہ تھے ۔ بلکہ خطائے اجتہادی کی بنا پر لیا ہوا حاشیہ خیالی پر ہے

"فان معاویه واحزابه بغوا عن طاعته مع اعترافهم بانه افضل اهل زمانه الاحق بالامامة منه بشبهة هی ترك القصاص من قتلة عثمان "

ترجمہ : حضرت معاویہؓ اور ان کے طرفداروں نے اس اعتراف کے باوجود کہ حضرت علیؓ اپنے زمانہ میں سب سے افضل اور سیدنا معاویہؓ سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں اس شبہ کی بنا پر ان کی اطاعت سے انحراف کیا کہ وہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص کے تارک ہیں ۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ فریقین کے نزاع و اختلاف کی بنیاد یہ امر نہ تھا کہ کون مستحق اور افضل ہے ؟ حضرت معاویہؓ کو سیدنا علیؓ کے اپنے سے افضل اور زیادہ مستحقِ خلافت ہونے کا کھلے دل سے اعتراف تھا نزاع صرف مسئلہ قصاص پر تھا۔

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بعض پڑھے لکھے اشخاص کو

مسئلہ قصاص کی آڑ میں سیّدنا علیؓ کا مضحکہ اڑاتے ہوئے اس انداز سے تنقید کرتے ہوئے سنا گیا کہ جیسے قصاص میں کسی کو قتل کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہو۔ اور اسلام کا یہ حکم ہو کہ جس پر شک و شبہ کی انگلی اُٹھتی جائے تلوار کی نوک پر رکھتے جاؤ۔ اس کے لیے نہ شخصی تعین کی ضرورت ہے اور نہ ٹھوس ثبوت کی ؛

اگر ایسا ہی ہوتا تو حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما کی گفتگو کے وقت باغیوں کی ایک بڑی جماعت صفوں سے نکل کر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے آپ کو قاتلینِ عثمان کہہ رہی تھی۔ سیّدنا علیؓ ان سب کا سر قلم کرا کے کم از کم باہمی اختلافات کے دردِ سر سے تو خلاصی حاصل کر لیتے ؛ مگر چونکہ وہ اسلامی حدود کی اہمیت اور ان کے اجراء کے لیئے شرعی کڑی شرائط کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اس لیئے ان کے لیئے عجلت میں کوئی فیصلہ کرنا اور وہ بھی حد شرعی کے اجراء کے متعلق کوئی آسان کام نہ تھا۔

شہادتِ عثمان کے بعد سیدنا علیؓ نے حضرت نائلہ زوجۂ امام مظلوم سے قاتلین کا نام دریافت فرمایا تو وہ نام تو نہ بتا سکیں صرف دو شخصوں کا حلیہ بتلایا تھا۔

علامہ ابن حجر ہیثمی (المتوفی ۹۷۴ھ) اپنی کتاب الصّواعق المحرقہ ص ۲۰۸ پر تحریر کرتے ہیں؛

اعلم ان الذی اجمع علیه اهل السنة والجماعة انه یجب علی کل مسلمٍ تزکیة الصحابة باثبات العدالة لهم والکف عن الطعن فیهم والثناء علیهم فقد اثنی الله سبحانه وتعالیٰ علیهم فی ایات من کتابه منها قوله تعالیٰ "کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" فاثبت الله لهم الخیریة علی سائر الامم ولا شئ یعادل شهادة الله لهم بذلك "۔

ترجمہ: یاد رکھ بیشک اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ صحابہ کرام کی عدالت ثابت کرکے انکی صفائی دے اور ان کے بارہ میں طعن کرنے سے اجتناب کرے اور ان کی مدح وثناء کرے۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی بہت سی آیات میں ان کی تعریف فرمائی ہے۔ ان میں سے حق تعالیٰ کا ایک یہ ارشاد ہے: تم سب امتوں سے بہتر ہو لوگوں کی بھلائی کے لیے ہی پیدا کیے گئے ہو" اس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے لیے باقی سب امتوں کے مقابلہ میں خیریت وبھلائی ثابت فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی:

اور ص ۲۱۶ پر تحریر کرتے ہیں:

ومما یوجب ایضًا الامساك عمّا شجر ای وقع بینهم من الاختلاف والاضطراب صفحًا عن اخبار المؤرخین سیما جهلة الرفضة وضلال الشیعة والمبتدعین القادحین فی احدٍ منهم فقد قال صلّی اللہ علیه وسلم اذا ذکر اصحابی فامسکوا والواجب ایضًا علی کل من سمع شیئًا من ذلك ان یتثبت فیه ولا ینسبه الی احد منهم بمجرد رؤیته فی کتاب او سماعه من شخص بل لابد ان یبحث عنه حتی یصح عنده نسبته الی احدهم فحینئذٍ الواجب ان یلتمس لهم احسن التاویلات واصوب المخارج اذ هم اهل لذلك"

ترجمہ: اور صحابہ کرام کے متعلق واجبات میں سے ہے کہ ان کے مابین جو اختلافات ونزاعات واقع ہوئے مؤرخین خصوصًا جاہل رافضیوں گمراہ شیعوں اور

ان کی شان میں نکتہ چینی کرنے والے بدعتیوں کی روایات و اخبار سے اعراض کرتے ہوئے اپنے آپ پر کنٹرول کرے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو انکی برائی سے زبان روکو۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص کوئی ایسی بات (جو صحابہ کرام کے مقام کو مجروح کرتی ہے) سنے تو محض کسی کتاب میں دیکھنے یا کسی سے سننے پر ہی اس کو کسی صحابی کی طرف منسوب نہ کر ڈالے بلکہ اچھی طرح اس روایت کی چھان بین کرے یہاں تک اسکے نزدیک قواعد شرعیہ کے مطابق اس کی نسبت ان میں سے کسی ایک کی طرف صحیح طور پر ثابت ہو جائے۔ اور پھر اس روایت کی کوئی توجیہہ اور نیک محمل تلاش کرے۔ کیونکہ صحابہ کرام اسی کے اہل ہیں۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

ومن اعتقاد اهل السنة والجماعة ان ماجرى بين معاوية وعلى رضى الله عنهما من الحروب فلم يكن لمنازعة معاوية لعلى فى الخلافة للاجماع على حقيتها لعلى كما مر فلم تهج الفتنة بسببها وانما هاجت بسبب ان معاويه ومن معه طلبوا من على تسليم قتلته عثمان اليهم ليكون معاوية ابن عمه فامتنع على ظناً منه ان تسليمهم اليهم على الفور مع كثرة عشائرهم واختلاطهم بعسكر على يؤدى الى اضطراب وتزلزل فى امر الخلافة التى بها انتظام كلمة اهل الاسلام"

ترجمہ: اور اہل سنت وجماعت علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ و معاویہؓ کے مابین جو تصادم ہوئے اس کی وجہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے

خلافتِ علی میں نزاع نہ تھا کیونکہ حضرت علیؓ کی خلافت بالاجماع حق تھی ہنگامہ اس لیئے برپا ہوا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے طرفدار قاتلین حضرت عثمانؓ کے بارہ میں مطالبہ کرتے تھے کہ وہ ہمارے سپرد کیئے جائیں ۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے چچازاد برادر ہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے گریز فرمایا چونکہ آپ کو ظن غالب تھا کہ علی الفور قاتلین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا سپرد کر دینا جب کہ وہ کافی تعداد میں ہیں اور آپ کے لشکر میں ملے ہوئے ہیں امر خلافت کو متزلزل کر ڈالے گا اور اہل اسلام کا رہا سہا نظم بھی اختلال پذیر ہو جائے گا ۔

اب ذیل میں جنگِ جمل و صفین کے مقتولوں کے متعلق امام اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں ۔

۱:۔ المصنف لابن ابی شیبہ ص ج ۴ پر مذکور ہے :

"سئل علی عن قتال یوم الصفین فقال قتلانا وقتلاھم فی الجنۃ"

ترجمہ: حضرت علیؓ سے جنگِ صفین کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا ہمارے مقتول اور ان کے مقتول (مراد لشکر معاویہؓ ہے) دونوں جنتی ہیں ۔

۲:۔ تاریخ ابن عساکر اور المنتقی للذھبیؒ میں مذکور ہے حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے رفقاء نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہؓ کے لشکر میں سے جو حضرات مقتول ہوئے ان کی بابت آپ کی رائے کیا ہے ؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ وہ بھی مومن ہیں ۔

۳:۔ المصنف لابن ابی شیبہ ص ج ۴ میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ سے جنگ جمل و صفین کے مقتولوں کے بارہ میں استفسار کیا گیا کہ کیا وہ مشرک تھے؟

فرمایا نہیں : شرک سے تو وہ بھاگتے تھے ۔ پوچھا گیا تو کیا وہ منافق تھے؟ فرمایا نہیں ۔ کیونکہ منافق تو اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں : پوچھا گیا آخر وہ کیا کیا تھے ؟ فرمایا ہمارے (اسلامی) بھائی ہیں جنہوں نے ہم پر زیادتی کی۔

شیعہ کُتب سے

۱ ۔ حضرت علی اللہ عنہ کا وہ گشتی مراسلہ جو اطراف مملکت میں روانہ کیا گیا تھا شیعہ مذہب کی مشہور کتاب نہج البلاغہ مع ترجمہ و شرح فارسی صـ ۱۰۴۱ پر مذکور ہے جس کا متن یہ ہے :

"وکان بَدْءُ امرنا انا التقینا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربّنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدة ولا نستنزیدهم فی الایمان باالله والتصدیق برسوله ولایستزیدوننا والامر واحد ولا ما اختلفنا فیه من دم عثمان ونحن منه براء"

ترجمہ : اور ہمارے اَمر (اختلاف) کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہم اور اہل شام باہم الجھ پڑے حالانکہ ہم سب کا رب ایک نبیؐ ایک اور اسلام کی دعوت کی روش ایک ہے ۔ خدا کی وحدانیت پر ایمان اور رسالت کی تصدیق کے مسئلہ میں نہ ہم ان کے مقابلہ میں برتری کے دعویدار ہیں نہ وہ ہم پر۔ ہمارا مشن تو ایک ہے ۔ مگر جس چیز کے بارہ میں ہمارا اختلاف ہے وہ حضرت عثمانؓ کا خون ہے اور ہم اس سے بری ہیں ۔

حضرت علیؓ کے اس مراسلہ سے وضاحت سے معلوم ہوا کہ اختلافات کا موجب صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت تھی ورنہ ان حضرات میں مذہبی طور پر

کوئی اختلاف نہ تھا۔

۲:۔ قُربُ الاسناد شیعی کتاب میں حضرت جعفرؒ کی روایت ہے کہ میرے والد حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ اپنے خلاف قتال کرنے والوں میں سے کسی کو بھی شرک اور نفاق کی طرف منسوب نہ کرتے تھے۔"

فریقین کی کتب کے حوالہ جات سے اولاً تو تربیت یافتگان نبوت کی خدا ترسی وحق پرستی۔ شرافت وحسن اخلاق پر روشنی پڑتی ہے کہ شدید اختلافات اور ان کے نتیجہ میں قتال تک نوبت پہنچ جانے کے باوجود مخالف کیمپ کے اپنے دینی بھائیوں کے لیئے کافر و منافق تو کجا کوئی غیر شائستہ جملہ استعمال کرنے میں بھی انتہائی محتاط تھے ایک ہم ہیں جو زبانی طور پر عشقِ رسالت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ مگر کسی سے اختلاف ہو جائے تو دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے کافر و بے ایمان سے کم درجہ کا کوئی لفظ نہیں ملتا۔

بھلا انسان نما حیوانوں کا حقیقی معنے میں انسانوں سے کیا مقابلہ؟ ثانیاً یہ کہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے مخلص طرفداروں (سوائے مفسد سبائیوں کے) کے درمیان عقائد و نظریات کا قطعی طور پر کوئی اختلاف نہ تھا ورنہ حضرت علیؓ یہ نہ فرماتے کہ اِن کا اور ہمارا رب ایک نبیؐ ایک ہے۔

نیز مخالف کیمپ کے مقتول افراد کی نمازِ جنازہ نہ پڑھتے اور ان کے جنتی ہونے کا اعلان نہ فرماتے آپ نے تو اِخوانُنا (ہمارے بھائی) فرما کر گویا اپنے سچے پیروکار کی علامت بتلادی۔ کہ میرا پیروکار و سچا محب وہی ہے جو علیؓ و معاویہؓ بھائی بھائی کا اعلان کرے: اور جو اِن حضرات کی باہمی مخالفت و عداوت کو شہرت دیتا پھرے وہ شر پسند تو ہو سکتا ہے۔ محب علیؓ ہرگز نہیں۔

تمام اہل سنت وجماعت حضرت علیؓ کی تعلیمات کی روشنی میں ہی ان حضرات کی باہمی اخوت کو ڈنکے کی چوٹ بیان کرتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اب سیدنا معاویہؓ

کے متعلق ایک سائل کے سوال کا جواب ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب کی طرف سے نقل کریں۔ جس سے حضرت معاویہؓ کی سلامتی فطرت۔ تحفظِ جان کی اہمیت اور جذبہ امن پسندی پر روشنی پڑتی ہے۔

سوال: امیر معاویہ صحابی رسول تھے۔ اور صحابہ کرام کی شان میں قرآن شریف میں لکھا ہے رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ وہ آپس میں بہت رحم دل تھے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ صحابی ہو کر پھر مسلمانوں سے کیوں لڑتے رہے۔ ان کی جنگی مہمات مسلمانوں کی ہی آپس کی لڑائیاں تھیں۔ بعض لوگ اس خیال سے حضرت معاویہؓ کے خلاف ہیں اس کی تشریح "دعوت" میں فرمائیں۔

الجواب: یہ الزام واقعات کی روشنی میں بالکل غلط ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کے بہت خواہاں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ اس بات سے طبعًا متنفر تھے کہ مسلمان کی تلوار مسلمان کے مقابلہ میں بے نیام ہو۔ آپ امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور جس طرح حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی خونریزی سے اس درجہ متنفر تھے کہ آپ نے شہادت قبول فرمالی۔ مگر مدعیان اسلام کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ اسی طرح آپ کے یہ اثرات حضرت امیر معاویہؓ کی سیرت میں بھی پوری طرح جلوہ گر تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہونے سے حکمت ایزدی نے تکوینًا روک رکھا تھا۔

حضرت ابوسفیانؓ عہد جاہلیت میں ایک عرصہ تک مسلمانوں کے مقابلہ میں برسرِ کمان رہے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ انہی مہم آرائیوں میں گذرا یہ امر بہت عجیب ہے کہ ان تمام معرکوں میں ان کے ساتھ ان کے بیٹے (امیر معاویہؓ) کہیں نظر نہیں آتے اور بدر سے لے کر جنگ اخزاب تک کوئی شخص آپ کی نشان دہی نہیں کرتا کہ کبھی آپ بھی اپنے باپ کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوئے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ربّ العزت

نے تکوینی طور پر آپ کو اس سے بچا رکھا تھا کہ آپ مسلمانوں کے مقابلہ میں چڑھائی کریں۔

۲۔ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف عجمی بغاوت زوروں پر تھی۔ اور آپ کے زیر کمان شامی افواج بہت مضبوط تھیں۔ اس وقت بھی آپ نے از خود کوئی پیشقدمی نہ فرمائی بلکہ حضرت عثمانؓ کے منشا کا پوری طرح احترام کیا کہ ان کی حیات طیبہ میں مسلمانوں کی باہمی خوں ریزی کسی صورت میں واقع نہ ہونے پائے۔ پھر جنگ جمل میں جب کہ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ کے مابین جنگ چھڑ گئی تو باوجودیکہ حضرت معاویہؓ کا ذہن حضرت علیؓ کے متعلق صاف نہ تھا۔ مگر آپ نے مخالفت میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ کوئی شرکت نہ کی۔ ان تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اس سے طبعاً متنفر تھے کہ مسلمانوں کی تلوار مسلمان کی تلوار سے ٹکرائے۔

حافظ ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں

لم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً بل کان من اشد الناس حرصًا علی ان لایکون بین المسلمین قتالٌ

(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۱۹/۲۲۰)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ جنگ کی ابتدا کرنے والے نہ تھے بلکہ آپ اس بات کے سب سے زیادہ خواہاں ہوتے تھے کہ مسلمانوں میں باہمی قتال ہرگز نہ ہو۔

جنگ صفین میں بھی آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف چڑھائی نہیں کی۔ بلکہ اس میں پہل حضرت علیؓ مرتضیٰ کی طرف سے تھی۔ اور جب عراقی افواج مقام تک پہنچیں تو حضرت معاویہؓ کو مجبوراً دفاع کے لیے نکلنا پڑا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جب تک امام مظلوم کے قاتل گرفتار نہ کر لیے جائیں وہ نئے خلیفہ کی بیعت نہیں کریں گے۔ وہ خود مدعیٔ خلافت ہرگز نہ تھے۔ صرف اس امر کے منتظر تھے کہ امام مظلوم کا بے گناہ

خون داد رسی پا سکے ۔ پھر اس جنگ صفین میں بھی باوجودیکہ شامی افواج بہت قوی اور کثیر تھیں۔ آپ نے کھلے ہوئے قرآنوں کا واسطہ دیکر خوں ریزی کو بند کرایا اور معاملہ کو حل کرنے کے لیے فکر و تدبر اور نظر و استدلال کی راہ اختیار فرمائی ۔ یہ گمان ہرگز نہ کیا جائے کہ لڑائی سے طبعًا دور ہونا کسی کمزوری یا بزدلی کی وجہ سے تھا ۔ جس ذات گرامی نے روم کی سیاسی قوت پر وہ ضرب کاری لگائی ہو کہ صدیوں کا تمدن اور سالہا سال کی قوت سب پامال کر کے رکھ دیے ہوں ۔ اس کے بارہ میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

علامہ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ رومی ممالک پر سولہ دفعہ حملہ آور ہوئے تھے (دیکھئے جلد نمبر ۸ صـ ۱۲۳) بحری لڑائیوں میں حضرت امیر معاویہؓ کی پیش قدمی تاریخ اسلام کے وہ انمٹ نقوش ہیں جنہیں مستقبل کی کوئی غلط بیانی نہیں دھو سکتی ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

یہ تمام اقتباس علامہ صاحب کی قابل قدر کتاب "عبقات" سے اخذ کیا گیا ہے ۔ جس سے اس شر پسند طبقہ کے نظریہ کا ابطال ہو جاتا ہے جو سیدنا معاویہؓ کے حالات کی جنگ صفین کے حوالہ سے اس طرح منظر کشی کرتا ہے کہ وہ دنیا کے اقتدار پرست و سفاک حکمرانوں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں ۔

امام اہل السنۃ والجماعۃ علامہ عبدالشکور لکھنویؒ

اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

صحابہ کرام کے مشاجرات یعنی ان کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا حرام[1] ہے۔ الا بضرورت و بہ نیت صالحہ اور دونوں فریق کے ساتھ[2] حسن ظن رکھنا ضروری ہے اور دونوں کا ادب لازم ہے۔

فائدہ: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانۂ خلافت میں دو خانہ جنگیاں پیش آئیں۔ اوّل جنگِ جمل جس میں ایک جانب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب

---

[1] اس لیے کہ ان جھگڑوں کے قصوں میں افترا پردازی بہت کی گئی ہے اور چونکہ ان روایات سے کوئی مقصد دینی متعلق نہ تھا۔ اس لیے محدثین نے ان کی تنقید بھی پورے طور سے نہیں کی۔ علاوہ اسکے جب دو شخصوں کے جھگڑے بیان کیے جاتے ہیں تو بعض طبائع اعتدال پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کسی کے طرفدار بنکر دوسرے سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور یہ معاملہ صحابہ کرام کا ہے۔ دونوں کا ادب ہم کو لازم ہے۔ دو بڑے بھائیوں میں یا باپ اور چچا میں جھگڑا ہوا اور اس جھگڑے کے وقت موجود بھی نہ ہوں تو اس کا قصہ بیان کرنا عقل و شرافت کے خلاف ہے۔

[2] قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ دو جنتیوں میں بھی باہم رنجش دنیا میں ہو سکتی ہے۔ مگر جب وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے تو آپس میں صفائی کرادی جائیگی۔ قولہ تعالیٰ ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین۔ ترجمہ: اور نکال دیں گے ہم اس رنجش کو جو انکے سینوں میں تھی بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔ پس جب دونوں فریق جنتی ہو سکتے ہیں اور ہیں تو دونوں سے حسن ظن رکھنا ضروری ہوا۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما ۔ دوم جنگِ صفین جس میں ایک جانب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری جانب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۔

ان دونوں لڑائیوں کے متعلق حسبِ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ۔

۱ ۔ جنگِ جمل میں دونوں جانب صاحب فضائل و مناقب ہیں ۔ حضرت علی بھی صاحب مناقب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنص قرآنی ایمان والوں کی ماں اور بحکم آیت تطہیر صاحبِ تقویٰ تارک الدنیا سارے جہان کی ایمان والیوں سے افضل اور حضرت طلحہ و زبیر وہ ہیں کہ قرآن شریف میں جو آیات مناقب مہاجرین کی ہیں ۔ اُن میں وہ داخل ہیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنا حواری فرمایا ۔ کئی بار جنّت کی بشارت دی اور ان کے علاوہ بہت فضائل ان کے ہیں ۔

۲ ۔ اس جنگِ جمل میں ماں اور بیٹے کا مقابلہ ہے اور ماں بھی وہ جس کو قرآن نے ماں قرار دیا اور ماں کے جو حقوق و آداب قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں ۔ ان کا تقاضا یہ ہے کہ سارا الزام بیٹے پر عائد ہو مگر حق تعالیٰ جزائے خیر دے علمائے اہل سنت کو انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو الزام سے بری ثابت کرنے کے لیے بڑی کوشش کی اور ان کی کوشش مشکور ہوئی ۔

۳ ۔ یہ جنگِ جمل بالکل دھوکے دھوکے میں ہوئی ۔ لڑنے کا ارادہ نہ اِنکا تھا نہ اُن کا بلکہ صلح کی گفتگو بالکل مختتم ہو چکی تھی کہ چند فتنہ انگیزوں نے لڑائی کا آغاز کر دیا ۔

۴ ۔ اِس جنگِ جمل کے واقعات اس امر کی کافی شہادت ہیں کہ لڑائی ہوئی مگر طرفین کے دل بالکل صاف تھے ۔ ایک دوسرے کے مناقب بیان کرتے تھے اور اس واقعہ پر نادم و

متاسف تھے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لشکرِ مخالف کے سردار حضرت طلحہ کے بیٹے محمد کی نعش کو مقتولین میں دیکھ کر فرمایا:

واللہ کان شابًّا صالحًا۔ اللہ کی قسم جوان نیک تھا۔

اور حضرت طلحہ کی نعش مبارک کو دیکھ کر ان کے پاس بیٹھ گئے اور ان کے ہاتھ کو بار بار اٹھا کر چومتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ ہاتھ ہے۔ جس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مصائب کو دفع کیا ہے۔ اُحد کی لڑائی میں جب کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے نرغہ میں گھر گئے تھے۔ اور آپ پر چاروں طرف سے تیر کی بارش تھی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ پر تیروں کو روکا جس کی وجہ سے وہ ہاتھ شل ہوگیا۔ پھر عمر بھر اس سے کوئی کام نہ کر سکے اور اپنے اس ہاتھ کا انھوں نے علاج بھی نہ کیا ؎

زخم دل مظہر مبادا بہ شود ہشیار باش
کین جراحت یادگار ناوکِ مژگان اوست

حضرت علی اسی ہاتھ کو چومتے تھے اور مثلاً حضرت علی نے اس لڑائی میں جب ایسے بڑے بڑے اکابر کو مقتول پایا تو فرمایا کہ:

یالیتنی مت قبل ھذا بعشرین سَنَۃً۔ اے کاش میں آج سے بیس برس پہلے مرگیا ہوتا۔

اور مثلاً حضرت زبیر اس جنگ سے بیزار ہوکر بجانب مکہ معظمہ واپس ہوگئے تھے۔ ابن جرموز نے اثنائے راہ میں جبکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اُن کو قتل کر دیا اور حضرت علیؓ کو آکر خوشخبری سنائی کہ میں نے آپ کے دشمن زبیر کو مار ڈالا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو دوزخی ہے۔ مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

یا علی بشر قاتل ابن صفیّۃ[1] بالنار۔ اے علی! فرزندِ صفیہ[1] کے قاتل کو دوزخ کی خوشخبری سنا دینا۔

---

[1] صفیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کا نام ہے حضرت زبیرؓ آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے ۱۲

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی ندامت و تاسف کے کلمات منقول ہیں جیسا کہ ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۲۸۰ میں کئی روایات اس کے متعلق ہیں پس اس قسم کے واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی تو ہوئی لیکن دلی محبتوں میں فرق نہیں آیا رحماء بینھم کی شان قائم رہی۔

۵ ۔ جنگِ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پہلو غالب ہے۔ یعنی لشکر مخالف میں کوئی ایسے صاحبِ فضائل لوگ نہ تھے۔ لہذا اس جنگ کے متعلق جو انتہائی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اہلسنت نے اُسی کو اختیار کیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور اُن سے لڑنے والے باغی اور خاطی تھے۔ مولانا جامی اپنے عقائد نامہ منظوم میں لکھتے ہیں ؎

و ان خلافے کہ داشت با حیدر　　در خلافت صحابی دیگر
حق در آنجا بدست حیدر بود　　جنگ با او خطا و منکر بود

۶ ۔ جنگِ صفین کے واقعات بھی روشن دلیل اس امر کی ہیں کہ طرفین کے دل بغض و عناد سے پاک تھے۔ دو واقعات اثنائے جنگ کے اور دو قبل و بعد جنگ کے بطور نمونہ کے لکھے جاتے ہیں :

اوّل دورانِ جنگ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضؓ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے اور نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھتے تھے اور انہیں کے ساتھ ہو کر لڑتے تھے ایک مرتبہ کسی نے حضرت معاویہ کے سامنے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ کھانا یہاں عمدہ ہے اور نماز و جہاد وہاں عمدہ ہے لہذا جو عمدہ چیز جہاں ہے۔ وہیں سے لیتا ہوں۔ بھلا بغض و عناد والوں میں یہ معاملات اور ایسی باتیں ہو سکتی ہیں۔

دوم اثنائے جنگ میں حضرت معاویہؓ کو خبر ملی کہ کوئی عیسائی بادشاہ مدینہ منورہ

پر چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہے تو آپ نے فوراً اُس کو خط لکھا کہ ہماری آپس کی لڑائی سے تو فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ خدا کی قسم اگر تو نے ایسا کیا تو علی کے لشکر سے جو پہلا سپاہی تیری سرکوبی کو نکلے گا۔ اس کا نام معاویہ بن ابی سفیان ہوگا۔ سچ ہے ؎

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا

سوم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محمد بن عمار نے بعد از جنگ پوچھا کہ ہم مدینہ جا رہے ہیں۔ لوگ اہلِ شام کی بابت ہم سے پوچھیں گے تو ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا کہہ دینا کہ اخواننا بغوا علینا (ہمارے بھائی ہیں۔ انہوں نے ہم سے بغاوت کی) خود شیعوں کی کتاب نہج البلاغہ قسم دوم ص ۱۱۸ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک گشتی فرمان موجود ہے۔ جس میں حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھ والوں کے مومن کامل ہونے کی شہادت ہے۔

چہارم شیعوں کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغہ ابن میثم مطبوعہ ایران جزو ۱۱ میں ایک خط حضرت معاویہ کا بنام حضرت علی رضی اللہ عنہ منقول ہے۔ جس کے بعض فقرے یہ ہیں:

فاما شرفك فی الاسلام	لیکن تمہاری بزرگی اسلام میں اور
وقرابتك من النبی علیه	تمہاری قرابت نبی علیہ السلام سے
السلام وموضعك من	اور تمہارا مرتبہ قریش میں ان چیزوں
قریشٍ فلست ادفعهٗ۔	کا میں انکار نہیں کرتا۔

علاوہ اس کے بعد از جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضؓ کے درمیان مکاتبت کا ہونا اور حضرت معاویہ کا اُن سے مسائلِ دینیہ کا استفسار کرنا ثابت ہے۔

فائدہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ مہاجرین و انصار میں نہیں ہیں۔

جن کی مدح قرآن شریف میں ہے نہ خلفائے راشدین میں ہیں مگر پھر بھی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اُن کی شان میں گستاخی کرنا اور اُن سے بدگمانی کرنا جائز نہیں۔

جامع ترمذی میں روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دُعا فرمائی کہ:

اللّٰھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا واھد بہ۔	اے اللہ ان کو ہدایت کرنیوالا اور ہدایت یافتہ بنا دے اور انکے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کر۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنا کاتب بھی بنایا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا کتابت وحی اُن کے سپرد تھی یا کتابت فرامین وغیرہ بہرصورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اُن کا معتمد اور امین ہونا ضرور ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ کی عادت شریف تھی کہ:

کان لا یستکتبُ الا عدلا امینًا۔	آپ کتابت کا کام اسی سے لیتے تھے جو عادل اور امین ہوتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے خلیفہ ہونے کی دعا بھی کی تھی اور پیشینگوئی بھی فرمائی تھی اور بھی ان کے فضائل میں کئی حدیثیں ہیں۔

رہا یہ کہ انہوں نے خلیفہ برحق سے بغاوت کی۔ یعنی یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لڑے تو اس کو اگر ہم بالفرض خطائے اجتہادی[1] نہ مانیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ معصیت

---

[1] خطائے اجتہادی اس خطا کو کہتے ہیں جو کسی مجتہد سے مسائل اجتہادیہ میں ہو جائے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجتہد سے خطا ہو جائے تو بھی اس کو ایک ثواب ملتا ہے حضرت معاویہ کے مجتہد ہونے میں کچھ شک نہیں اور اس موقع کا مسائل اجتہادیہ میں سے ہونا بھی یقینی ہے۔ حضرت معاویہؓ کو یہ خیال تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مہاجرین و انصار نے برضا و رغبت بیعت نہیں کی، بلکہ بلوائیوں کے خوف سے کی ہے لہٰذا اس بیعت سے انکی خلافت منعقد نہیں ہو سکتی۔ حضرت معاویہؓ نے یہ مضمون حضرت علیؓ کو لکھ کر بھیجا بھی تھا ۱۲۔

صدور اُن سے ہوا لیکن جبکہ ایک شخص کا مومن ہونا اور فقیہ ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اسکی کسی معصیّت پر طعن کرنا شرعًا جائز نہیں۔ چہ جائیکہ وہ صحابی بھی ہو۔ معصیّت کے معاف ہو جانے کی بہت سی صُورتیں شریعت میں ہیں۔ توبہ سے ہر معصیّت کے معاف کر دینے کا وعدہ قرآن مجید میں ہے۔ پھر توبہ بھی نہ ہو تو اعمالِ صالحہ میں خدا نے کفارۂ معاصی بننے کی خاصیّت بھی رکھی ہے۔ قولہ تعالیٰ ان الحسنٰتِ یذھبن السّیاٰتِ حضرت معاویہؓ کے اعمال صالحہ میں سخاوت اور حلم تو ضرب المثل ہے اور سب سے بڑا عمل صالح تو صحبت رسول ہے۔ پھر یہ بھی نہ ہو تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہے۔ قال علیہ السلام شفاعتی لاھل الکبائر من اُمّتی یہ بھی نہ ہو تو شرک کے علاوہ اور سب گناہوں کی مغفرت خدا نے اپنی مشیت کے حوالہ کی ہے کہ بغیر ان اسباب کے بھی جس کو چاہے بخش دے۔ پس جب اس قدر متعدد صُورتیں عفو معاصی کی ہیں تو کسی مومن کی معصیّت پر لعن وطعن کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ خصوصًا جبکہ وہ صحابی بھی ہو اور اس کے لیے اچھے اچھے کلمات صاحبِ وحی کی زبانِ مبارک پر جاری ہو چکے ہوں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ عبداللہ بن مُبارک (امام زہد وطاعت) کا مرتبہ زیادہ ہے یا حضرت معاویہؓ کا تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ واللہ معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جاتا تھا۔ وہ غبار عبداللہ بن مبارک جیسے ہزاروں سے افضل ہے۔

لہ قرآن مجید میں عام مؤمنین کی غیبت سے منع فرمایا ہے ولا یغتب بعضکم بعضًا۔ اور غیبت اسی کو کہتے ہیں کہ کسی کا عیب واقعی اس کی پس پشت بیان کیا جائے۔ پھر بھلا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غیبت کس طرح جائز ہو سکتی ہے ۱۲۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں :

باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکی از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم و صاحب فضیلت جلیلہ در زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم ۔ زینہار درحق او سوء ظن نکنی و در ورطۂ سب او نیافتی تا مرتکب حرام نشوی ۔

جاننا چاہیے کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی جماعت میں بڑی فضیلت والے تھے ۔ خبردار ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی کے ورطہ میں نہ پڑنا ورنہ حرام کے مرتکب ہو جاؤ گے ۔

آخرت کے فکرمندوں کے لیے ائمہ اہل سُنّت کی کارآمد باتیں

شرحُ الفقہ الاکبر صـ۱۰۲ پر حضرت علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں:

وسئل احمد عن امر علی وعائشۃ فقال: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے اختلافی معاملہ کے متعلق سوال کیا گیا تو قرآن کریم کی آیت کے حوالہ سے فرمایا (بھائی) یہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی۔ وہ ان اعمال کی ذمہ دار ہے جو اس نے کیے اور تم اپنے اعمال کی ذمہ دار ہو اور (یاد رکھو) تم سے اُن کے کیے کا سوال نہ ہوگا۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"قال الاوزاعی سئال رجل الحسن البصری عن علی وعثمان فقال کانت لھذا سابقۃ ولھذا سابقۃ ولھذا قرابۃ ولھذا قرابۃ وابتلی ھذا وعوفی ھذا فسئالہ عن علی ومعاویۃ فقال کان لھذا قرابۃ و لھذا قرابۃ سابقۃ ولیس لھذا سابقۃ وابتلیا جمیعًا (سیر صـ۱۴۲ ج۳)

ترجمہ: امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت حسن بصریؒ سے حضرت علی و عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا تو فرمایا (میاں) انھیں بھی قبولِ اسلام

میں سبقت (پہل) حاصل ہے اور انھیں بھی۔ انھیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی رشتہ داری کا شرف حاصل ہے اور انھیں بھی (اب) ان (علیؓ) کو آزمائش درپیش ہے اور وہ (عثمانؓ) عافیت پا گئے۔ اس نے دوبارہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے متعلق استفسار کیا تو فرمایا انھیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت حاصل ہے اور انھیں بھی۔ اور انھیں تو سبقت فی الاسلام حاصل ہے مگر انھیں نہیں آزمائش دونوں کو پیش آئی۔

دانا شخصیت کا کارآمد قول

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (جنہیں عمرِ ثانی کہا جاتا ہے) کا قول حضرت محمد بن موسیٰ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب حیاۃ الحیوان جلد اول ص۳۵ پر نقل فرمایا ہے۔

لکھتے ہیں:

وقد سئل عن علی ومعاویۃ رضی اللہ عنہما فقال تلك دماء طهر الله منها سيوفنا افلا نطهر من الخوض فيهم السنتنا۔

حضرت عمرِ ثانی سے حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مشاجرات کے بارہ میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا (مقامِ شکر ہے) باری تعالیٰ نے ان خونوں میں ہماری تلواروں (اور ہاتھوں) کو رنگین ہونے سے بچا لیا (ہم اس وقت نہ تھے) تو کیا اب ہمیں اپنی زبانوں کو بھی ان حضرات کی بدگوئی وعیب جوئی میں ملوث ہونے سے نہ بچانا چاہیے؟

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھرے ۔ آخرت کے فکر مندوں اور خشیتِ الٰہی سے سرشار عقل مندوں کے لیے بڑی جامع اور کار آمد بات فرما گئے : جب اس دور کا عینی شاہد کوئی نہیں ۔ اور تاریخی روایات کے جنگل میں رطب دیا بس (گیلی اور سوکھی) ہر قسم کی لکڑی ملتی ہے تو ان پر اعتماد کرتے ہوئے مشاجرات صحابہ کے مسئلہ کو جو نہایت نازک ہے موضوع بحث بنانا اور ان حضرات کے ایمان و عمل کا وزن کرنا آخرت کی بہتری کے طالب کا کام نہیں : بلکہ خدا کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے : کسی بزرگ نے خوب فرمایا ہے ۔

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس دَرَدْ
میلش اندر طعنۂ پاکاں زَنَدْ

جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دل کا میلان پاک بندوں کی طعن زنی کی طرف کر دیتے ہیں : اور پھر آدمی دنیا میں ذلیل و خوار ہونے کے علاوہ غیبت کی پاداش میں اپنی تھوڑی بہت نیکیاں بھی انھیں بزرگوں کے کھاتہ میں جمع کرا دیتا ہے ۔ اور آخرت میں اس پر جو بیتے گی وہ تو اللہ بہتر جانے اور اس طرح دار العمل سے دار الجزاء کی طرف منتقل ہونے والے بزرگوں کو برائی کرنے والوں کی نیکیاں بلا محنت روزی کے طور پر ملتی رہتی ہیں ۔

بہر کیف صحابہ کرام کی عظمت و احترام کے اعتقادی مسئلہ میں قرآن و سنت کے انوار سے جان ڈالنی چاہیے ۔

سراج الائمہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

علامہ احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اَلْخَیْرَاتُ الحسان : ص۵۷ پر تحریر کرتے ہیں :

وسُئِل عن علی ومعاویۃ وقتلیٰ صفین : فقال اخاف علی

الله ان اقدم بشئ یسألنی عنه ولو سکت لم اسئل عنه بل عما کلفت به فالاشتغال به اَولیٰ:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اور صفین کے مقتولوں کے بارہ میں دریافت کیا گیا: تو ارشاد فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ اس بارہ میں کوئی فیصلہ دوں (جبکہ نہ تو اس قتال کا عینی شاہد ہوں اور نہ ہی اس آزمائش سے گذرنے والے حضرات کی زبانی صحیح حالات سنے ہیں) جس کے متعلق مجھ سے کل روزِ محشر پوچھا جائے (اور کچھ جواب نہ بن پڑے) اور اگر اس بارہ میں سکوت (خاموشی) اختیار کر لوں تو مجھ سے ان حضرات کے اختلاف کے متعلق بالکل سوال نہ ہوگا بلکہ ان شرعی ذمہ داریوں کے متعلق باز پرس ہوگی جن کا میں شرعاً مکلف ہوں: لہٰذا انہی اعمال میں مشغول رہنا بہتر ہے"

حضرت امام صاحب نے اپنے شایان شان بہت مفید اور حکیمانہ بات کہی کہ جب مسلمان ابتدائے شعور سے قبر کی منزل تک بڑی ذمہ داریوں سے دوچار ہے: اور شرعی احکام کا پابند ہے تو ایسے غیر ضروری اور نہایت پیچیدہ و نازک مسائل کو ذہنی دلچسپی کا ذریعہ بنا کر اپنی چند روزہ زندگی کے قیمتی لمحات و ساعات کو ضائع نہ کرنا چاہیے، جب انسان اپنے والد اور چچا اور دو بھائیوں کے باہمی اختلافات میں احترام کی بنیاد پر کسی کے خلاف ناشائستہ کلمہ بولنا پسند نہیں کرتا تو صحابہ کرام کا مسئلہ تو اور نازک ہے۔

اکابر اہل سنت میں سے حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نعیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک درس آموز واقعہ نقل فرمایا ہے جو نہایت کارآمد ہے کہ مولانا لکھنوی سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلافات کی بابت آپ کی تحقیق کیا ہے؟ ان میں سے کون حق پر تھا۔

آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ سوال آپ کا ہے کسی اور کا؟ اس نے کہا فلاں حافظ صاحب نے پوچھا ہے: مولانا نے دریافت فرمایا کہ حافظ صاحب کیا کام کرتے ہیں اس نے جواب دیا کہ جوتے فروخت کرتے ہیں: فرمایا اور آپ کا مشغلہ کیا ہے؟ اس نے کہا حضرت میں کپڑے رنگتا ہوں تو فرمایا آپ دونوں بالکل اطمینان رکھیں: حافظ صاحب یا تمہارے پاس قیامت کے دن ان حضرات کا مقدمہ پیش نہ ہوگا تم کپڑے رنگتے رہو اور حافظ صاحب جوتے فروخت کرتے رہیں ان حضرات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی عدالت عالیہ میں پیش ہوگا۔ وہ خود فیصلہ فرمائیں گے۔ تم ان تحقیقات کی فکر میں نہ پڑو: اگر تمہارے پاس ان کا مقدمہ آئے تو کہہ دینا کہ ہمارے اختیار سے باہر ہے۔"

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر

(تاریخ اسلام (نجیب آبادی) کا ایک درس آموز اقتباس)

اکبر شاہ نجیب آبادیؒ تاریخ اسلام حصہ اوّل ص ۴۴۸/۴۴۹ پر رقمطراز ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کی معرکہ آرائیوں اور حضرت زبیرؓ و حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ کی لڑائیوں وغیرہ کو ہم لوگ اپنے زمانہ کی مخالفتوں اور لڑائیوں پر قیاس کرکے بہت کچھ دھوکے اور فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم ان بزرگوں کے اخلاق اپنے اخلاقی پیمانوں سے ناپنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے خوب غور کرو۔ اور سوچو کہ جنگِ جمل کے موقع پر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ نے کس عزم و ہمت کے ساتھ مقابلہ اور معرکہ آرائی کی تیاری کی تھی۔ لیکن جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلائی گئی تو کس طرح وقت کے وقت پر جب کہ ایک زبردست فوج جاں نثاروں کی ان کے قبضہ میں تھی۔ وہ میدانِ جنگ سے جدا ہو گئے ان کو غیرت بھی دلائی گئی۔ ان کو بزدل بھی کہا گیا۔ وہ لڑائی اور میدانِ جنگ کو کھیل تماشے سے زیادہ نہ سمجھتے تھے

ان کی شمشیر خارا شگاف ہمیشہ بڑے بڑے میدانوں کو سر کرتی رہی تھی۔ مگر انہوں نے کسی چیز کی پرواہ دین و ایمان کے مقابلہ میں نہ کی انہوں نے ایک حدیث سنتے ہی اپنی تمام کوششوں تمام امیدوں تمام اولوالعزمیوں کو یک لخت ترک کر دیا۔

مذکورہ بالا حصّہ میں جناب نجیب آبادیؒ نے جو نہایت اہم مسئلہ بیان فرمایا ہے: حضرت عارف رومیؒ نے اسی مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے خوب ارشاد فرمایا ہے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

ارے میاں پاکیزہ دل حضرات (صحابہ کرام و اولیائے عظام) کے حالات و معاملات کو اپنے اوپر قیاس مت کر۔ گو بظاہر وہ بھی تمہاری طرح کے انسان ہیں مگر ان میں اور تم میں بڑا فرق ہے۔ ان سے تمہاری کیا نسبت۔ ان کے دلوں میں ذکر اللہ اور خشیت کا چراغ ہر وقت جل رہا ہے: مثال دیتے ہوئے توضیح فرماتے ہیں کہ دیکھو شیر (درندہ) اور شیر (دودھ: شین کے زیر سے) ظاہری شکل و صورت اور کتابت میں ایک ہی چیز دکھائی دے رہے ہیں حالانکہ دونوں جُدا جُدا چیزیں ہیں۔ لہٰذا جیسے لکھائی میں مشابہت کی بنیاد پر دونوں کو ایک خیال کرنا سنگین خطا ہے بالکل اسی طرح انسانیت میں اشتراک کی بنا پر اپنے حالات و معاملات پر پاک دل لوگوں کے احوال و اطوار کو قیاس کر لینا ایک پُرخطر اور مہلک تصوّر ہے ایک روشن دل عارف باللہ شخصیت نے اتنا اہم مسئلہ کیسے مختصر الفاظ میں اور کتنی خوبصورتی سے ذہن نشین فرما دیا۔

زمانۂ اختلاف میں علمی استفسار

جنگ صفین کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک استفتاء ارسال کیا۔ جس میں خُنثیٰ مشکل کی میراث کے متعلق دریافت

کیا گیا تھا : حضرت علیؓ نے جواب ارسال فرمایا کہ اصل دار و مدار اس کی پیشاب گاہ پر ہے اگر وہ مَردوں کی مانند ہے تو مرد کا حکم جاری ہوگا اور اگر عورتوں کی مانند ہے تو عورت کا حکم ہوگا ۔ (بحوالہ بالا بمفہومہ)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں حضرت معاویہؓ کو بُرا نہ کہنا چاہیے ۔ فقہاء نے جوان کی نسبت جور کا لفظ لکھا ہے تو یہ بمقابلہ عدل کے ہے ۔ جس طرح عدل کے مراتب ہیں جور کے بھی ہیں صغیرہ سے کبیرہ تک سب اس میں داخل ہیں ۔ پس اس سے استدلال کبیرہ پر کیونکر کر سکتے ہیں اور اگر بالفرض ارتکاب کبیرہ کا بھی کوئی ثابت کر دے ۔ تب بھی برا نہ کہنا چاہیے ۔ خود حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحابی سے ارتکاب کبیرہ کا ہو جائے تو اس کو بُرا کہنا جائز نہیں ۔ وہ حدیث یہ ہے بعض صحابہ کا گذر ایک مردہ جانور پر ہوا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مُردہ کو کھاؤ ۔ صحابہ نے عرض کیا یہ تو مُردہ ہے ۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے جو ماعز کو کہ ان سے معصیت زنا کی سرزد ہو گئی تھی بُرا کہا ۔ اس مُردہ کا کھانا اس سے زیادہ بُرا نہیں : اس سے معلوم ہو گیا کہ صحابی کو بُرا کہنا کسی طرح بھی جائز نہیں علاوہ اس کے اگر دو بھائی یا باپ بیٹے میں نزاع واقع ہو تو دوسروں کو کیا مجال کہ زبان ہلا دے : امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقدمہ پیش ہوا ۔ حق تعالیٰ کے سامنے جب فیصلہ ہوا تو آپ باہر تشریف لائے ۔ پوچھا گیا کہ کیا معاملہ ہوا آپ نے فرمایا قضٰی لی و ربّ الکعبۃ : یعنی میرے موافق فیصلہ ہوا : پھر حضرت معاویہؓ باہر آئے ۔ ان سے پوچھا گیا ۔ فرمایا غفرلی وربّ الکعبۃ یعنی حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا : لوگوں نے لا تسبّوا الاموات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے کس قدر خرابی

کی بات ہے۔ (مقالات حکمت ص۴۵)

ان کے گھوڑے کے سم کا غبار جسم پر پڑجانا وسیلہ نجات ہے

غوثِ اعظمؒ کا فرمان

سوال: حضرت معاویہ بن ابی سفیان صحابی اند یا نہ و در فضیلت بوصف صحابیت سہیم و شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہستند یا نہ و ایشاں را بالقب حضرت و دعائے رضی اللہ عنہ یاد کردن شعارِ اہل سنت است یا نہ و کسیکہ در تعظیم ایشان تقصیرے نماید و مردماں را تخصیص و ترغیب بر قبائح ایشاں سازو در رافضی بودنِ ایں کس تامل است یا نہ

ترجمہ: حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ صحابی ہیں یا نہیں؟ اور صحابیت کے وصف سے موصوف ہونے کی فضیلت میں اور صحابہ کرام کے ساتھ شریک و حصّہ دار ہیں یا نہیں اور ان کو حضرت کے لقب اور رضی اللہ عنہ کی دعا سے یاد کرنا اہل سُنّت کا شعار ہے یا نہیں جو شخص آپ کی تعظیم میں کوتاہی کرے اور لوگوں کو ان کی کمزوریوں پر ابھارے اور ترغیب دے۔ اس کے رافضی ہونے میں کوئی تامل و تردد ہے یا نہیں؟

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا علمی و محققانہ جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

الجواب: معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی بن صحابی اند در صحابیت و فضیلت اوشاں کرا کلام است مگر کہ رافضی باشد و بلقب حضرت و تحیہ رضی اللہ عنہ اوشاں

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور صحابی کے بیٹے ہیں۔ آپ کی صحابیت اور فضیلت میں کسے کلام ہے؟ سوائے اس کے جو رافضی ہو اور حضرت کے لقب

را یاد کردن شعار اہل سنت وجماعت است وکسیکہ در شان والائے ایشاں طعنے یا تشنیع بر زبان راند شعبہ از رفض دارد وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضًا من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام فی معاویۃ اللّٰھم اجعلہ ھادیًا مھدیا وآنچہ مشاجرات ومنازعات فیما بین واقع شدہ ایں را بر محامل صحیحہ وتاویلات مقبولہ حمل تواں کرد ۔

اور رضی اللہ عنہ کی دعا کے ساتھ آپ کو یاد کرنا اہل سُنّت وجماعت کا شعار ہے اور جو شخص آپ کی عالی شان میں طعن وتشنیع زبان پر لائے وہ رافضیت کا ایک حصّہ رکھتا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ۔ میرے صحابہ کے بارہ میں اللہ سے ڈرو ۔ اللہ سے ڈرو ۔ میرے بعد انھیں تنقید کا نشانہ نہ بنایا جو ان کے ساتھ محبّت کرے گا وہ میری محبّت کی وجہ سے کرے گا اور جو ان سے کینہ رکھے گا وہ میرے ساتھ کینہ کی وجہ سے ایسا کرے گا ان کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ معاویہ کو ھادی اور مہدی بنا دے اور صحابہ کرام کے درمیان جو مشاجرات ونزاعی امور پیش آئے ان سب کی صحیح توجیہات اور قابل قبول تاویلات (جن سے ان کی شان پر آنچ نہ آئے) کی جا سکتی ہیں ۔

از حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ منقول است کہ اگر در رہ گذر حضرت معاویہ رضؓ نشینم وگردسم اسپ جناب بر من افتد باعث نجات می شناسم پس تعجب است کہ چنیں بزرگان دیں چناں خیال فرمایند وچند کسان ناکس زبان درازی کنند ۔ صدق من قال

حضرت غوث الثقلین سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے منقول ہے کہ اگر میں حضرت معاویہ کے راستے میں

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد — بیٹھ جاؤں اور ان کے گھوڑے کے سُم کا
میلش اندر طعنۂ پاکان برد — گرد و غبار میرے جسم پر پڑے اسے میں
۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ — وسیلۂ نجات خیال کروں گا۔ تعجب کی

بات ہے کہ ایسے بزرگان دین تو ایسا ارشاد فرمائیں اور چند کس وناکس (نااہل لوگ) آپ کے بارہ میں زبان درازی کریں۔ کسی کہنے والے (شاعر) نے سچ فرمایا کہ جب خدا کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اسے پاکباز لوگوں کی عیب جوئی و بدگوئی میں لگا دیتا ہے۔

سوال ۲ : زید کہتا ہے کہ میں حضرت معاویہؓ سے بدعقیدہ ہوں اور کسی طرح جی نہیں چاہتا کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہوں۔ مگر اب تک کہا ہے اور کہتا ہوں اور کہوں گا زید یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ تھے تو صحابی مگر دل میں سلطنت کی محبت رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح سلطنت یا خلافت اب میرے ہی خاندان میں رہے۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنے بیٹے یزید سے کہہ دیا تھا کہ حضرت امام حسینؓ کو مار ڈالنا پھر زید اس اخیر جملہ کے خلاف ایک روایت بیان کرتا ہے کہ انہوں نے (حضرت معاویہؓ) نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مار ڈالنے کو یزید سے نہیں کہا تھا۔ غرض زید مختلف روایتیں بیان کرتا ہے اور غالباً اول روایت کو صحیح جانتا ہے۔ زید اپنے خیالات کی تائید میں بھی پیش کرتا ہے کہ شمس التواریخ کے مصنف نے بھی اپنی تصنیف میں جابجا حضرت معاویہؓ پر طعن کئے ہیں۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پکے مسلمان نہ تھے۔ البتہ مرتے وقت پکے مسلمان ہو گئے تھے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید جو اپنے کو سنّی اور حنفی کہتا ہے تو ان عقائد اور خیالات کے رکھنے سے اس کی سُنّیت اور حنفیت میں کچھ نقصان آتا ہے یا نہیں؟

اور ایسے شخص کے پیچھے نماز وغیرہ پڑھنے میں اور اس کی محفلوں اور جلسوں میں بیٹھنے سے کچھ خرابی تو نہیں آتی اور ارشاد فرمائیے کہ اہل سنت وجماعت کو حضرت

امیر معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے کیا عقیدہ رکھنا چاہیے اور شمس التواریخ اور اس کے مصنف جو اکبر آبادی ہیں اور غالباً ابھی زندہ ہوں گے۔ اسلام میں کیا رتبہ رکھتے ہیں۔ آیا ان کی تصانیف قابل اعتبار ہیں یا نہیں؟

الجواب (از حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حدیث میں ہے لاتسبّوا اصحابی فلوان احدکم انفق مثل احد ذھبًا ما بلغ مُدّ احدھم ولا نصیفہ (متفق علیہ) اور حدیث میں ہے اکرموا اصحابی فانھم خیارکم (رواہ النسائی) اور حدیث میں ہے لاتمس النار مسلمًا رآنی او رای من رآنی (رواہ الترمذی) اور حدیث میں ہے فمن احبھم فبحبّی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم (رواہ الترمذی) اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی یقیناً ہیں اس لئے احادیث مذکورہ ان کو شامل ہوں گی۔ پس ان کا اکرام اور محبت واجب ہوگی اور ان کو برا کہنا اور ان سے بغض و نفرت رکھنا یقیناً حرام ہوگا اور ان سے جو کچھ منقول ہے بعد تسلیم صحت نقل ان اعمال پر ان کے حسنات بلکہ خود ایک وصف صحابیت غالب ہے جیسا ارشاد نبوی فلوان احدکم الخ اس پر دال ہے اور اسی بنا پر لاتمس النّار الخ فرمایا ہے۔ پس جو وسوسہ وخطرہ بلا اختیار دل میں پیدا ہوا وہ لائق عفو ہے اور جو عقیدہ اور تعلق اختیار سے ہو اس کی اصلاح واجب ہے اور جو شخص با اختیار بدگمانی یا بدزبانی یا بغض و نفرت رکھے گا لامحالہ وہ احادیث نبویہ کا مخالف اور خارج از اہل سنّت وجماعت ہے جیسا کہ کتب اہل سنت سے ظاہر ہے۔ اس لیے اس کی امامت بھی مکروہ ہے اور اختلاط بلا ضرورت ممنوع وفی شرح العقائد "وما وقع بینھم من المنازعات والمحاربات فلہ محامل وتاویلات فسبھم والطعن

فیهم ان کان مما یخالف الادلة القطعیة فکفر کقذف عائشة رضی اللہ عنها والا فبدعة وفسق اھ (بحوالہ امداد الفتاوی ج ۵ ص ۳۹۵/۳۹۶)

اختلافات کی باد صرصر کے بعد صلح کی جانفزا ہوا

جب ان پاکیزہ خیالات حضرت کو ٹھنڈے دل سے اصل مسئلہ پر غور و خوض کا موقع ملا اور حالات نے کروٹ بدلی تو سابق اختلافات سے جو مکدّر اور اضطراب انگیز فضا چھا گئی تھی باہمی مصالحت کے قابلِ تقلید اور عبرت آموز حسین عمل سے ختم ہو گئی اور پھر سے ایک بار اخوت و محبت کی باد نسیم کے روح پرور جھونکے اہلِ ایمان کے قلب و جگر کو تر و تازگی بخشنے لگے۔

علامہ حالیؒ نے خوب فرمایا:

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا

جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ بھائی بھائی

علامہ ابن جریر طبری اپنی مشہور کتاب تاریخ طبری جلد ششم میں سنہ ۴۰ھ کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں: وفی هذه السنة (سنہ ۴۰ھ) جرت بین علی ومعاویة المهادنة بعد مکاتبات یطول ذکرها علی وضع الحرب بینهما وان یکون ملك العراق لعلیؓ ولمعاویة الشام الخ اور اس

سال بہت خط و کتابت کے بعد جس کا تذکرہ طویل ہے حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ بندی کے مسئلہ پر صلح ہوئی اور اس بات پر کہ ملکِ عراق حضرت علیؓ کے زیرِ حکومت رہے گا اور شام حضرت معاویہؓ کے زیرِ تصرّف۔

قیصرِ رُوم کا خط اور حضرت معاویہؓ کا جواب

جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلافات پورے زوروں پر تھے اور اپنی طاقت ایک دوسرے کے خلاف محاذِ جنگ پر لگا رکھی تھی۔ اس وقت تمام اسلام دشمن سپر طاقتیں خوشی کے شادیانے بجا رہی تھیں۔ موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور زیادہ آگ بھڑکانے کے لیے قیصرِ روم نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا: "مجھے پتہ چلا ہے کہ علی ناحق تم سے برسرِ پیکار ہے اور تمہیں تمہارا حق دینے سے انکاری ہے میں اس وقت جس قدر تم چاہو فوجی امداد دینے کو تیار ہوں۔ آپ مخالف کی فوجوں کو پسپا کر کے اپنی مرضی کا نظامِ حکومت قائم کر لیں"۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سیاسی تدبّر سے جو غیرت مندانہ جواب لکھا وہ تاریخِ اسلام کا ایک روشن باب ہے لکھا: اے روم کے کُتّے! کیا تو علی اور میرے فروعی جھگڑوں میں دخل اندازی کر کے آتشِ اختلاف کو اور بھڑکانا چاہتا ہے؟ یاد رکھ اگر تو نے (ہمارے باہمی اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے) علیؓ کے خلاف لشکر کشی کی تو اُن کی حمایت میں لڑنے والے لشکر کا پہلا سپہ سالار میں ہوں گا۔

(بحوالہ تاریخ سیدنا حسین ص۱۶۰ بمفہومہ)

اگر حضرت معاویہؓ کا اختلاف نیک نیتی اور دیانت پر مبنی نہ ہوتا تو وہ قیصر روم کی اس پیش کش سے فائدہ اٹھانا غنیمت خیال فرماتے۔ مگر چونکہ یہ حضرات اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا صحیح مصداق تھے۔ اس لیے اعدائے اسلام

کے لیے اپنے اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع فراہم نہ ہونے دیا۔

نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما بھائی بھائی

سرورِ کائنات فخرِ موجودات خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ایک بار امام عالی مقام حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا اِنَّ ابْنِیْ ھٰذا سَیِّدٌ سیصلح اللہ بہ بین فئتین عظمتین مِنَ المسلمین "میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کو مسلمانوں کی دو (باہم الجھنے والی) عظیم جماعتوں کے درمیان مصالحت کا ذریعہ بنائیں گے۔ چنانچہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشینگوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ کے ہاتھوں پوری ہوئی کہ آپ نے مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کے عظیم مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی خلافت سے دستبردار ہو کر حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ جو آپ کا ایک عظیم تاریخی کارنامہ ہے حدیث مذکورہ بالا کے خط کشیدہ الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے نبیؐ نے حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ ہر دو حضرات کی باہم الجھنے والی دو بڑی جماعتوں کے مسلمان ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمادی اَلْمَرَامُ مِنَ الْاِرْقَام اینکہ حضرت حسن کی صلح ایک مسلّمہ حقیقت ہے اہل سنت کی کُتب میں سے صرف دو حوالہ جات سپردِ قلم کیے جاتے ہیں

۱۔ مستدرک حاکم جلد نمبر ۳ پر مذکور ہے: فصالح الحسن معاویۃ وسلم الامر الیہ و بایعہ بالخلافۃ علی شروط و وثائق الخ پس حضرت حسنؓ

نے حضرت معاویہؓ سے صلح فرمائی اور زمامِ خلافت انھیں کو سونپ دی اور چند شرائط و یقین دھانیوں پر اُن کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔

خطبۂ حضرت حسنؓ امام شعبیؒ کے بیان کی روشنی میں

۲۔ علامہ محمد بن موسیٰ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حیاۃ الحیوان جلد اول صـ۸۳ پر حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ (جنہوں نے ۵۰۰ صحابہ کرام کی زیارت کی ہے) کا بیان نقل فرمایا ہے: شهدت خطبة الحسن رضی اللہ عنه حین صالح معاویة وخلع نفسه من الخلافة: میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں خود موجود تھا جب آپ نے حضرت معاویہؓ سے صلح فرمائی اور اپنی خلافت سے دستبردار ہوئے فحمد اللہ واثنیٰ علیه ثم قال: پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا اما بعد: فانّ اکیس الکیس التقی واحمق الحمق الفجور وان هذا الامر الذی اختلفت انا ومعاویة فیه ان کان له فهو احق منّی به وان کان لی فقد توکته لله ارادة لاصلاح الامة وحقن دماء المسلمین وان ادری لعلّه فتنة لکم ومتاع الی حین ثم رجع الی المدینة واقام بها فعوتب علی ذٰلك فقال رضی اللہ عنه اختوت ثلاثا علی ثلاث الجماعة علی الفرقة وحقن الدّماء علی سفکها وَالعار علی النّار: بلاشبہ سب سے دانا شخص پرہیزگار اور سب سے زیادہ احمق بدکردار ہے اور یہ امرِ خلافت جس میں میرا اور معاویہؓ کا اختلاف رہا ہے اگر فی الواقع اس کے زیادہ لائق وہی ہیں تب تو وہ مجھ سے زیادہ حق دارِ خلافت ہیں ہی اور اگر عند اللہ اس کے لائق میں ہوں تب بھی امت کی اصلاح اور اہل اسلام کے خون کی حفاظت کے پیشِ نظر ان کیلئے خلافت کی ذمہ داری چھوڑتا ہوں

اور میں نہیں جانتا شاید یہ تمہارے لیے آزمائش اور ایک وقت (موت) تک زندگی سے نفع اٹھانا ہو اس کے بعد حضرت مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار فرمالی کچھ لوگوں کی طرف سے بیعت کے معاملہ میں آپ کو ملامت کی گئی تو حضرت نے فرمایا (لوگوں کو کیا پتہ) میں نے تو تین (مکروہ) چیزوں کے مقابلہ میں تین (پسندیدہ) چیزوں کو ترجیح دی ہے افتراق کے مقابلہ میں امت کی جمعیّت کو اور خوں ریزی کے مقابلہ میں اہل اسلام کی جانوں کی حفاظت کو اور دوزخ کی آگ کے مقابلہ میں عار کو۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باجماعِ اہلِ اسلام خلیفۂ برحق منتخب ہوئے اور اس سال کا نام عامُ الجماعۃ رکھا گیا۔ کیونکہ اہلِ اسلام کی طاقت جو پہلے تقسیم ہوگئی تھی۔ اب ایک ہی متحدہ پلیٹ فارم پر مجتمع ہوگئی۔

صلحِ حسنؓ کا ثبوت شیعہ کی کتابوں سے

بحار الانوار جلد نمبر ۱۰ ص ۱۶۴ پر ہے: عن ابی جعفرٍ قال واللّٰہِ للذی صنعه الحسن بن علیٍّ علیه السلام کان خیرًا لهذه الامة ممّا طلعت علیه الشمس: حضرت امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں خدا کی قسم حضرت حسنؓ نے صلح کا جو عمل کیا وہ اس اُمت کے لیے دنیا اور اس کے تمام ساز و سامان سے بہتر ہے۔

رجال کشی میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضرت حسن و حضرت حسین اور قیس بن سعد وغیرہم جب شام تشریف لائے تو" فاذن لهم معاویة واعد لهم الخطباء فقال یا حسن قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین قم فبایع فقام فبایع" حضرت معاویہؓ نے ان حضرات کو اندر آنے کی

اجازت دی اور ان کے اعزاز و اکرام میں خطبا ربلائے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا اے حسن کھڑے ہو کر بیعت کریں۔ پس آپ نے کھڑے ہو کر بیعت فرمائی۔ پھر فرمایا اے حسین آپ بھی کھڑے ہو کر بیعت کریں پس آپ کھڑے ہوئے اور حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (بحار الانوار جلد نمبر ۱۰ ص ۱۲۴ بحوالہ عبقات ص ۲۹)

عملِ صلح سچّے شیعہ کے لیے تمام دنیا سے بہتر ہے

شیعہ مذہب کی مشہور معتبر کتاب احتجاج طبرسی ص ۲۸۹/۲۹۰ پر مذکور ہے۔

"عن ابی سعید عقیصی قال لمّا صالح الحسن بن علی بن ابیطالب معاویۃ بن ابی سفیان دخل علیہ الناس فلامہٗ بعضھم علٰی بیعتہٖ فقال ویحکم ما تدرون مَا عملت وَاللّٰہ لَلّذی عملت لشیعی خیر ممّا طلعت علیہ الشمس او غربت الا تعلمون انی امامکم و مفترض الطاعۃ علیکم واحد سیّدی شباب اھل الجنۃ بنص من رسول اللّٰہ علیّ"

ابو سعید عقیصی نقل کرتے ہیں کہ جب حسنؓ بن علیؓ نے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے مصالحت کر لی۔ تو ان کے پاس کچھ آدمی آئے۔ ان میں سے بعض نے (حضرت) معاویہؓ سے بیعت کرنے پر (حضرت) حسنؓ کو ملامت کی تب آپ نے فرمایا ارے تمہارا برا ہو۔ تم میرے عمل (صلح) کی اہمیت نہیں سمجھتے۔ خدا کی قسم میرا یہ عمل میرے (سچے) شیعہ کے لیے اس تمام دنیا سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے کیا تم مجھے اپنا واجب الاطاعت امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جنّت کے نوجوانوں کے دو سرداروں میں سے ایک سردار نہیں مانتے؟ اس روایت کے پیشِ نظر یہ صلح درحقیقت حضرت حسنؓ کے شیعہ کے لیے

دنیا اور اس کے تمام ساز و سامان سے بہتر ہے ۔ مگر اُن کے ساتھ محبّت کا دعویٰ کرنے والا سبائی گروہ آج تک امامِ عالی مرتبت کے اس عمل کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھتا ۔ بلکہ اس طرزِ عمل کی بھونڈی توجیہات کرکے اس کی اہمیت کو گرانے کی کوشش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ماتمی مجالس و تعزیتی جلوس وغیرہ میں وہ جس زور دار طریقہ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کردار کو بیان کرتا اور جس انداز سے ہائے حسین ہائے عبّاس وغیرہ کلمات پکارتا ہے ۔ یہ معاملہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں نظر آتا ان کا نام تو کبھی کبھار اور وہ بھی کچھ اس طرح سننے میں آتا ہے جیسے یار لوگ ان سے ناراض ہوں یا بھول گئے ہوں : خدا کے فضل و کرم سے یہ شرف تو اِن حضرات کے سچّے پیروکار اہل سنت وجماعت کو حاصل ہے کہ جو ہمیشہ سے اپنے پیشوا کے اس صالحتی اقدام کو خراجِ تحسین پیش کرتے آئے ہیں جو اہلِ ایمان کی جان و مال کی حفاظت اور انکے درمیان اتحاد و اتفاق کا ذریعہ ثابت ہوا ۔

ان لٹیرے شیعوں سے میرے لئے معاویہؓ بہتر ہیں

(امامِ عالی مرتبت حضرت حسنؓ کا فرمان)

احتجاجِ طبرسی صفحہ ۲۹ پر اصحابِ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے زید بن وہب جُھنی سے روایت ہے :

قَالَ لمّا طعن الحسن بن علی بالمدائن اتیتہ وھو متوجّع فقال ادی واللہ انّ معاویۃ خیرٌ لی من ھٰؤلاء یزعمون انّھم لی شیعۃ ابتغوا قتلی وانتھبوا ثقلی واخذوا مالی وَاللہ لئن اخذمن معاویۃ عھدًا احقن بہ دمی واومن بہ فی اَھلی خیرٌ من ان یقتلونی فتضیع اھل بیتی واھلی وَاللہ لو قاتلتُ معاویۃ لاخذوا

بعنقی حتّٰی یدفعونی سلمًا وَاللّٰہ لئن اسالمہ وانا عزیز خیرٌ من ان یقتلنی وانا اسیر۔"

کہتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نیزا مار کر مدائن میں زخمی کیا گیا (ایسا کرنے والا شیعی تھا) تو میں اس حالت میں آپ کے پاس پہنچا کہ تکلیف زدہ تھے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں یقیناً (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) میرے لیے اِن (شیعی) لوگوں سے (بدرجہا) بہتر ہیں جو میرے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جنہوں نے میرا سفری ضروری سامان بھی لُوٹ لیا اور میرا باقی مال بھی ہتھیا لیا۔ خدا کی قسم اگر میں (جناب) معاویہؓ سے کوئی معاہدہ کرلوں جس کے ذریعہ اپنی جان بچالوں اور اپنے اہل خانہ کے بارہ میں مطمئن ہوجاؤں یہ اس سے بہتر ہے کہ (شیعہ) مجھے قتل کرڈالیں اور اس طرح میرے اہلِ خانہ و اہلِ تعلق اجڑ جائیں خدا کی قسم اگر میں (اِن کے کہنے کے مطابق) معاویہؓ سے لڑائی کروں تو یہ (تو ایسے ہیں) کہ خود معاویہؓ سے صلح کرتے ہوئے میری گردن پکڑ کر ان کے حوالہ کردیں گے۔ خدا کی قسم باعزت طور پر (حضرت) معاویہؓ سے اگر صلح کرلوں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسیر ہوکر وہ مجھے قتل کرڈالیں۔

نیز کتاب مذکور کے صـ۲۹۱ پر سَالِمْ بِنْ اَبِی الْجَعْدْ کی روایت میں حضرۃ حسنؓ کے یہ کلمات ہیں:

انّھم لا وفاء لھم ولا ذمۃ فی قولٍ ولا فعلٍ انھم لمختلفون ویقولون لنا ان قلوبھم معنا وان سیوفھم لمشھورۃ علینا۔

ان کوفیوں میں تو وفا کا مادہ ہی نہیں اور ان کے قول و فعل کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ان کا تو آپ باہم اختلاف ہے یہ ہمیں صاف کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو واقعی آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں دشمن کے ساتھ۔

عمل امام اور شیعہ کا انوکھا سلام

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کاتبِ وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے منصب خلافت انھیں سونپ دیا تو ایک پکّا شیعی شخص سُفیان بن ابی لیلیٰ آپ کی خدمت میں آیا اور بڑے غصّہ میں اپنے امام پر طعن کرتے ہوئے ایک انوکھا سلام کیا جو شیعہ مذہب کی معتبر کتاب جلاء العیون صـ۲۶۳ پر مذکور ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ : اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے آپ پر سلام ہو: قارئینِ کرام: غور فرمائیں اگر ان لوگوں کا حضرت حسنؓ کی امامت پر صدقِ دل سے ایمان ہوتا تو اتنے عظیم کارنامہ پر انھیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے: مگر دراصل یہ اپنی امامت منوانے کے لیے اس بات کے خواہش مند ہوتے تھے کہ حضرت حسنؓ جیسے بزرگ اِن کی خواہشات کا احترام کریں اور اِن کی دلی خواہش یہ تھی کہ لڑاؤ اور تماشہ دیکھو۔

امام کا مُصلّٰی چھین لیا اور کفر و شرک کا حکم لگا دیا

مکاتبت کے بعد جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مصالحت کا پختہ ارادہ فرمالیا تو اپنے شیعوں کی سچائی کا امتحان لینے کے لیے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں اپنی اتباع پر زور دیا اور فرمایا کہ دیکھو جتنی تمہاری خیر و بھلائی پر میری نظر ہے تمہاری نہیں: اور گو تم جمعیّت کو مکروہ خیال کرتے ہو مگر وہ اِفتراق سے بہتر ہے جسے تم پسند کرتے ہو"۔ اس کے بعد کیا ہوا؟

علامہ اربلی شیعی کشف الغمّہ جلد اول صـ۵۴۰ پر لکھتے ہیں:

فنظر الناس بعضهم الى بعضٍ و قالوا ما تريد

بما قال. قالوا نظنّ انہ یرید ان یصالح معاویۃ ویسلم الامر الیہ : پھر تو شیعہ لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور چند اشخاص بولے سمجھ رہے ہو؟ یہ کیا کہنا چاہتے ہیں : ایک جماعت بولی ۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ یہ معاویہؓ سے صلح کرنا اور خلافت کی ذمہ داریاں سونپنا چاہتے ہیں : فقالوا کفر واللہ الرّجل وشدّوا علی فسطاطہ فانتھبوہ : شیعہ کی ایک جماعت (بڑے غصّہ میں آکر) کہنے لگی ۔ خدا کی قسم اس آدمی نے (پہلے حضرت امام تھے اب صرف ایک آدمی رہ گئے) تو کفر اختیار کر لیا ہے : اور (پھر) آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور آپ پر غلبہ پالیا ۔

حتّٰی اخذوا مُصَلّاہ من تحتہ : یہاں تک کہ (ظالموں نے) آپ کے نیچے سے آپ کا مصلیٰ بھی نکال لیا : ثم شد علیہ رجل یقال لہ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن جعال الازدی فنزع مطرفہ عن عاتقہ فبقی جالسًا متقلدًا السیف بغیر رداءٍ اس کے بعد عبد الرحمٰن بن عبداللہ بن جعال ازدی نے آپ پر حملہ کیا اور آپ کی گردن سے آپ کی عمدہ چادر بھی اتار لی ۔ اور آپ تلوار گردن میں لٹکائے بغیر چادر کے بیٹھے رہ گئے : (اس سے آگے دو سطروں کے بعد لکھتے ہیں) : فلمّا مر فی مظلم ساباط بدر الیہ رجل من بنی اسدٍ اسمہ الجراح بن سنان واخذ بلجام فرسہٖ وبیدہٖ مغول : وقال اللہ اکبر اشرکت یا حسن کما اشرک ابوک من قبل وطعنہ فی فخذہٖ فشقہ حتّٰی بلغ العظم : جب آپ چلتے چلتے دو مکانوں کے درمیانی راستہ پر پڑی ہوئی چھت کے نچلے تاریک حصّہ میں سے گذرنے لگے تو قبیلۂ بنی اسد کا ایک شیعی شخص جس کا نام جراح بن سنان تھا جلدی سے آپ کی طرف لپکا ۔ اس کے ہاتھ میں مہلک ہتھیار تھا ۔ اس نے آپ کے گھوڑے

کی لگام پکڑی اور (غصّہ سے آگ بگولا ہوکر) کہنے لگا: اللہ اکبر: اے حسن تونے بھی شرک کا ارتکاب کیا جیسا کہ تیرے باپ نے اس سے قبل شرک کا ارتکاب کیا تھا: اور آپ کی ران میں وہ ہتھیار بھونک دیا۔ اس نے ران کو ایسے چیر ڈالا کہ ہڈی تک اثر پہنچا۔

اکثر شیعہ لوگ اپنے بچوں کا نام اسی لیے عبدالرحمٰن نہیں رکھتے کہ قاتلِ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی عبدالرحمٰن تھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی چادر لے اڑنے والا بھی عبدالرحمٰن تھا تو کہیں اس نام سے شیعوں کے سیاہ کارنامے اہل سنت کو یاد نہ آجائیں۔

صلح کی دو اہم شرطیں

(حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کلام کی روشنی میں)

شیعہ مذہب کی معتبر و مشہور کتاب: کَشْفُ الْغُمَّہ جلد اول صفحہ ۵۷۰ میں حضرت حسنؓ کی طرف سے جو صلح نامہ تحریر کیا گیا تھا اس کی عبارۃ یہ نقل کی ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم: ھذا ما صالح علیہ الحسن بن علی بن ابیطالب معاویۃ بن ابی سفیان۔ صالحہ علی ان یسلم الیہ ولایۃ امر المسلمین علی ان یعمل فیھم بکتاب اللہ و سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سیرۃ الخلفاء الراشدین الخ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے: یہ وہ تحریر ہے جس پر حسنؓ بن علیؓ نے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے مصالحت کی: مصالحت اس پر کی کہ وہ (حسنؓ) اہل اسلام کی حکومتی ذمہ داری کا مسئلہ معاویہؓ کو سونپ رہے ہیں اس شرط پر کہ وہ مسلمانوں کے مسائل حل کرنے میں کتاب اللہ اور سنّت

رسول اللہ اور خلفائے راشدین (حضرت صدیق اکبر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم) کی سیرت پر عمل کریں گے"!

اس اقتباس سے کئی باتیں معلوم ہوئیں نمبر ا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اسی موجودہ قرآن کریم کو اصلی اعتقاد کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی شرط تحریر فرمائی تھی کیونکہ سنگر گز کا ضخیم اور اونٹ کی ران جتنا موٹا قرآن جو امام غار کے پاس ہے۔ اس سے تو عام لوگ متعارف ہی نہ تھے جو خلفائے راشدین ثلثہ کے ہاتھوں مرتب و محفوظ ہوا تھا اسی کو لوگ پڑھتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی اسی کی تلاوت فرماتے تھے: شیعہ فرقہ کا مزعومہ قرآن تو اسی وقت سے روپوش ہو گیا تھا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا سلسلہ جاری تھا شیعی کتب کی تصریح کے مطابق جب انہی ایام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پورا قرآن جمع کر کے لوگوں کے مجمع میں لائے اور لوگوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی تو فرمایا تھا اچھا اب تم اسے نہیں دیکھو گے سبائی گروہ کتنا بدقسمت ہے کہ صدیاں بیت گئیں مگر اب تک اس کا پڑھنا تو درکنار اس کا دیدار بھی نصیب نہیں ہوا! اور انشاء اللہ بارہواں فرضی امام اور فرضی قرآن قیامت تک دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ چاہے ذاکرین و مجتہدین فرضی امام اور فرضی قرآن کا کتنا ہی شوق دلا دلا کر اپنے حواریوں کی دولت سے اپنی جیبیں پُر کرتے رہیں۔

نمبر ۲ امام عالی شان حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی اسلامی طرز حکومت اور خلافت علی منہاج النبوۃ کی صحیح اور سچی تصویر حضرات خلفائے راشدین کی پاکیزہ سیرت تھی تبھی تو حضرت معاویہؓ پر ان کی سیرت مقدسہ اپنانے کی شرط عائد فرمائی تھی: جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کلام کے مطابق موجودہ قرآن برحق ہے اور خلفائے راشدین کی سیرت اسلامی طرز زندگی کی سچی تصویر ہے تو شیعہ حضرات کو چاہیے کہ ضد اور عناد چھوڑ کر دونوں چیزوں کو صدق دل سے مان لیں: ایسا نہ ہو کہ اسی وادیٔ تیہ

میں ہی دھکے کھاتے کھاتے موت آجائے اور پھر کوئی نعرۂ حیدری اور تبرّا اور سیاہ جھنڈے اور عقائد قبیحہ نجات کا ذریعہ نہ بن سکیں۔

ایک اتہام کا جواب

شیعہ فرقہ کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اتہام یہ لگایا گیا ہے کہ جب انہوں نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت کے لیے فضا سازگار کرنا چاہی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کندی کو تیار کیا کہ اگر وہ اپنے شوہر کو زہر دے کر ان کا کام تمام کر دے تو وہ اس کی شادی اپنے بیٹے یزید سے کر دیں گے اور اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ نے بطور رشوت ایک لاکھ درہم بھی جعدہ کو روانہ کیے چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب کشف الغمہ ص ۵۸ ج ۱ پر یہ تہمت اس طرح مذکور ہے۔ "قال المفید رحمہ اللہ لما اراد معاویۃ اخذ البیعۃ لیزید دسّ الی جعدۃ بنت الاشعث بن قیس وکانت زوجۃ الحسن بن علی علیہما السلام من حملہا علی سمّہ وضمن لہا ان یزوجہا بابنہ یزید فارسل الیہا مائۃ الف درہم فسقتہ جعدۃ السمّ"

یہ الزام سراسر غلط ہے اوّلاً اس لیے کہ حضرت حسنؓ نے جو صاحب واقعہ ہیں زہر خورانی کے مرتکب کے متعلق یقینی طور پر تو کیا تحفظِ جان کی شرعی اہمیت کے پیشِ نظر بطورِ تردد و شک بھی کسی کا نام ظاہر کرنے سے گریز فرمایا اور یہی آپ کی دیانت و امانت۔ خدا ترسی و للّٰہیت کا مقتضی تھا:

علامہ ذہبی تحریر کرتے ہیں: "قال قتادۃ قال الحسن للحسین قد سقیت السم غیر مرہ ولم اسق مثل ہذہ انی لاضع کبدی فقال من فعلہ؟ فابیٰ ان یخبرہ" قتادہؒ راوی ہیں کہ حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ

سے فرمایا یوں تو مجھے کئی بار زہر پلایا گیا مگر اس مرتبہ جیسا نہیں (یہ تو نہایت مہلک ہے) میرا تو جگر کٹ کٹ کے گر رہا ہے حضرت حسینؓ نے دریافت کیا یہ حرکت کس نے کی؟ تو آپ نے بتلانے سے انکار فرما دیا۔

نمبر۲ دوسری روایت ابن علیۃ عن ابن عون عن عمیر بن اسحٰق کی سند سے ہے اور اس میں ہے۔ فجاء الحسین فقال ای اخی انبئنی من شفاك قال لم؟ لتقتله قال نعم قال ما انا محدثك شیئاً ان یکن صاحبی الذی اظن فا اللہ اشد نقمۃ والا فواللہ لا یقتل بی بریٔ

(سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۷۳/۲۷۴)

(جب حضرت حسنؓ کی حالت غیر ہو گئی) حضرت حسین تشریف لائے اور دریافت کیا اے میرے بھائی مجھے بتلائیں کہ آپ کو زہر کس نے پلایا؟ آپ نے فرمایا کیوں؟ کیا اس لیے پوچھتے ہو) کہ اس کو قتل کر ڈالو۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا ہاں اسی لیے: فرمایا اگر اس کاروائی کا مرتکب وہی ہے جس پر میرا گمان ہے تو اللہ خود اس سے سخت انتقام لیں گے ورنہ خدا کی قسم میرے بدلے کوئی بے گناہ ہرگز قتل نہ کیا جائے۔

شیعہ مذہب کی معتبر کتاب کشف الغمہ ص ۵۸۴/۵۸۵ جلد نمبر ۱ پر بھی عمیر بن اسحاق سے یہی روایت مذکور ہے۔ ایک میں الفاظ یہ ہیں" وَ الحسین عند رأسہ فقال لمن تتہم؟ قال لم لتقتلہ؟ قال نعم قال ان یکن الذی اظن فا اللہ اشد بأسًا و اشد تنکیلا والا فلا احب ان یقتل بی بریٔ"۔

وقت موت حضرت حسینؓ آپ کے سر کے قریب بیٹھے تھے۔ آپ نے دریافت کیا (اے بھائی) آپ کس کو متہم کرتے ہیں؟ فرمایا کیوں؟ تاکہ اسے آپ قتل کر ڈالیں۔ فرمایا ہاں حضرت حسنؓ نے فرمایا اگر تو اس جرم کا مرتکب وہی ہے جس پر میرا گمان ہے تو اللہ خود سخت عبرتناک سزا دینے والے ہیں۔ ورنہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے بدلے

کسی بے گناہ کا خون کیا جائے : معلوم ہوا کہ آپ کو حتمی طور پر کچھ معلوم نہ تھا۔ ورنہ آپ وصیت فرما دیتے کہ میرے بعد فلاں سے قصاص لیا جائے ۔ تاکہ وہ کسی اور پر وار نہ کرے ۔

نیز حضرت حسینؓ بھی بڑے بھائی کی ذات تک زہر خورانی کے مجرم کے نام سے لاعلم تھے ورنہ بھائی سے دریافت نہ فرماتے نامعلوم شیعہ کو بعد میں کس ذریعہ سے معلوم ہوگیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کارروائی کی :

البتہ علامہ ذہبیؒ نے ایک روایت عبداللہ بن حسن کی بطریق عبداللہ بن جعفر واقدی کے حوالہ سے نقل کی ہے ۔ جس کے آخر میں ہے : "وقد سمعت بعض من یقول کان معاویۃ تلطف لبعض خدمہ ان یسقیہ سمًّا" کہ میں نے بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے بعض خدام کو انعام کا لالچ دے کر حضرت حسنؓ کو زہر خورانی پر تیار کیا تھا : اور ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ ص ۴۳ ج ۸ پر یوں نقل کیا ہے : وروی بعضھم ان یزید بن معاویۃ بعث الی جعدۃ بنت اشعث ان سمی الحسن وانا اتزوجک" اور بعض لوگوں سے روایت ہے کہ یزید نے جعدہ کی طرف پیغام بھیجا کہ تو حسنؓ کو زہر دے دے تو میں تجھ سے شادی کرلوں گا ۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں ابہام ہے کہ نہ تو اس قسم کی بات نقل کرنے والوں کی عرفی حیثیت کا ذکر ہے اور نہ ان کے نام کا اور نہ حضرت معاویہؓ کے ایسے بعض خدام کا : ایسی روایات سے حضرت معاویہؓ پر اتنا سنگین الزام کیسے عائد کیا جاسکتا ہے ؟ تبھی تو جلیل القدر مفسر حضرت ابن کثیرؒ بڑے وثوق سے اس کے بعد تحریر کرتے ہیں : "وعندی ان ھذا لیس بصحیح وعدم صحتہ عن ابیہ معاویۃ بطریق الاولیٰ والاخریٰ" میرے نزدیک تو زہر خورانی کی نسبت

یزید کی طرف ھی صحیح نہیں ہے تو اس کے والد (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف بطریق اولیٰ صحیح نہیں ہے :

ثانیاً : یہ بات عقل وفہم سے بالاتر ہے کہ حضرت معاویہؓ جیسے سراپا حلیم شخص حضرت حسنؓ جیسے اپنے محسن کے ساتھ ایسا ناشائستہ و مذموم سلوک کریں جنہوں نے خلافت سے دستبرداری اختیار کر کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے خلیفۂ برحق ہونے کی سند فراہم کر دی : قرین قیاس بات یہ ہے کہ صلح کے عمل پر جن شیعوں نے آپ کو :۔

اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے (اور دوسری روایت کے مطابق) اے مومنوں کا منہ کالا کر دینے والے سلام ہو :۔ کے توہین آمیز کلمات سے پکارا : جن کی غداری کو دیکھ کر آپ نے فرمایا ان لٹیروں سے میرے لیے معاویہؓ بدرجہا بہتر ہیں جنہوں نے آپ کا مصلّٰی چھین لیا اور سارا ساز و سامان لے اُڑے اور آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ اور بھوکے درندوں کی طرح امام صاحب کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کی گردن سے چادر بھی اتار لی : ظالموں نے اسی پر بس نہ کی بلکہ آگے بڑھ کر آپ کی ران میں خنجر گھونپ دیا اور آپ کو مجروح کر ڈالا ۔ انہی ملعونوں نے اپنی آتشِ غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے جعدہ کو زہر خورانی کے لیے آلۂ کار بنایا اور آپ کی شمعِ حیات گل کر ڈالی : اور پھر اپنے عیب پر پردہ ڈالنے کے لیے اتہام کاتبِ وحی اور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی حضرت معاویہؓ پر لگا دیا : مگر تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں کسی شاعر نے خوب فرمایا :

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

اور کوئی بعید نہیں کہ شیعہ حضرات حضرت حسنؓ کا نام لے کر اسی زہر خورانی کے

اپنے شرمناک اقدام پر ماتم کرتے ہوں ۔

واضح ہو کہ ملا باقر مجلسی رافضی اپنی مشہور کتاب جلاء العیون ص۲۷۱ پر تحریر کرتے ہیں "قطب راوندی از حضرت صادق روایت کردہ است امام حسن باھلبیت خود میگفت من بزہر شہید خواہم شد مانند رسول خدا گفتند کہ خواہد کرد ایں کار را فرمود زنِ من جعدہ دختر اشعث بن قیس : معاویہ پنھاں از برائے او زہر خواہد فرستاد و امر خواہد کرد او را کہ بمن خوراند گفتند اورا از خانہ بیرون کن و از خود دور گردان ۔ فرمود چگونہ اورا از خانہ بیروں کنم ہنوز از او کارے واقع نشدہ است اگر او را بیروں کنم بغیر او مرا نخواہد کشت "

قطب راوندی نے حضرت جعفر صادقؒ سے روایت کی ہے کہ امام حسن نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میں رسول خدا کی طرح زہر سے شہادت پاؤں گا : گھر والے کہنے لگے یہ زہر دینے کا کام کون کرے گا ؟ فرمایا میری بیوی جعدہ دختر اشعث بن قیس : معاویہؓ اس کے لیے خفیہ زہر بھیجے گا اور پھر مجھے کھلانے کا حکم دے گا کہنے لگے اس عورت کو گھر سے باہر نکال دیں اور اپنے سے دور کر دیں ۔ فرمایا جب ابھی اس سے یہ کام واقع نہیں ہوا گھر سے باہر کیسے کر دوں اور اگر گھر سے باہر نکال بھی دوں وہ میرے سوا اور کسی کو نہ مارے گی ۔

ملا باقر مجلسی نے حضرت حسنؓ کے فرمان کے مطابق حضرت معاویہؓ پر یقین کے درجہ میں یہ الزام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے : لیکن اوّل تو یہ روایت کشف الغمہ کی اس روایت کے معارض ہے جس میں حضرت حسنؓ نے بطور شک بھی کسی کا نام لینے سے احتراز فرمایا ہے : ثانیاً مجلسی کی روایت کے مندرجات پر غور کرنے سے یہ شیعوں کی خانہ ساز معلوم ہوتی ہے کیونکہ کوئی شریف و غیرت مند شخص ازدواجی زندگی کی نزاکت کے پیشِ نظر ایسی عورت کو بیوی بنا کر گھر نہیں رکھ سکتا جو یقین تو کیا ظن غالب کے درجہ میں

بھی اپنے دامنِ رفاقت کو ایسے سیاہ کارنامہ سے داغدار کر دے : جو شخص معاشرہ میں اپنی بیوی پر ایسا الزام عائد کرے اور پھر اسے بیوی بنا کر گھر رکھے اور اس کے ہاتھ سے بلا جھجک کھائے پیئے : اور وہ اس قسم کی حرکت بار بار کرے اور یہ تنبیہ و سرزنش بھی نہ کرے تو اس کا معنے اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟ کہ بیوی پر یہ الزام جھوٹا ہے : علی ہذا القیاس جب شیعی روایت کے مطابق حضرت حسنؓ کو پہلے سے ہی یقین تھا کہ حضرت معاویہؓ کی آلہ کار بن کر میری بیگم جعدہ مجھے زہر دے کر شہید کر ڈالے گی ۔ اور گھر والے کہتے ہیں کہ پھر آپ اسے فارغ کر دیں اور اپنے سے دور کر ڈالیں مگر امام صاحب اس سے یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ جب مجھے زہر کے ذریعہ قتل ہی اس نے کرنا ہے تو جدا کیسے کر دوں اس سے تو امام عالی مقام حضرت حسنؓ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ دیدہ دانستہ خودکشی کا ارتکاب کرنا چاہتے تھے اور ایسا تصور آپ کے متعلق کوئی رافضی تو کر سکتا ہے جسے ائمہ کرام کی تعلیمات کے بالکل خلاف بے تحاشا شراب نوشی اور بھنگ و چرس استعمال کر کے خودکشی کی عادت ہے کوئی سُنّی ہرگز نہیں کر سکتا ۔

البتہ جعدہ رانی کے بارہ میں شیعہ فرقہ کے سکوت سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ زہر خورانی کے فعلِ قبیح کے لیئے سبائیوں نے ہی جعدہ کو سیڑھی کے طور پر استعمال کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ۔ اس لیے اپنی محسنہ کے احترام میں مہر بلب ہیں ۔ اور الزام سارا حضرت معاویہؓ کے سر تھوپ رہے ہیں : کاش سبائی یہ قصہ گھڑتے وقت کچھ سوچ لیتے : ممکن ہے کوئی کہے کہ حضرت حسنؓ نے جعدہ کو اس لیے گھر سے نہ نکالا کہ وہ شہادت جیسی نعمت کا ذریعہ بنی ۔

جواب یہ ہے کہ پھر ابن ملجم مرادی کو شیعہ کیوں کوستے ہیں وہ بھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حصولِ شہادت کا واسطہ بنا اور ابن زیاد اور یزید کی افواج بھی تو

حضرت حسینؓ اور آپ کے خاندان و رفقائے کرام کی شہادت کا ذریعہ بنی ہیں؟ دوسرے یہ کہ جلاء العیون ص۲۷۱ پر ہی مذکور ہے کہ جب زہر نے حضرت حسنؓ کے تن بدن میں آگ لگا دی تو جعدہ سے کہا: "اے دشمن خدا مرا کشتی خدا ترا بکشد" اے خدا کی دشمن تو نے مجھے مارا خدا تجھے ہلاک کرے" حضرت حسنؓ اگر جعدہ کی اس حرکت کو حصول شہادت کا ذریعہ خیال کرتے ہوئے اچھی نگاہ سے دیکھتے تو کبھی اسے دشمن خدا کہہ کر ہلاکت کی بد دعا نہ دیتے۔

یاد رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ نے جو زہر دیا تھا اور جس سے آپ کے ساتھی بھی شہید ہو گئے: وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودی سازش کے بروقت منکشف نہ ہونے کی بناء پر تھا۔ اگر آپ کو زہریلے لقمہ کا پہلے علم ہو جاتا تو ہرگز اپنے ساتھیوں کو اس کے کھانے کی اجازت نہ فرماتے: اور آپ کے رفقاء کرام کی جان محفوظ رہتی مگر جلاء العیون کی مذکورہ بالا روایت کے مطابق تو حضرت حسنؓ کو پہلے سے ہی پتہ تھا: اور اس کے باوجود آپ نے احتیاط نہیں فرمائی حاصل یہ ہے کہ کسی صحیح روایت سے حضرت معاویہؓ پر حضرت حسنؓ کو زہر خورانی کا الزام ثابت نہیں ہے: اور جن روایتوں میں کچھ مذکور ہے ان میں ابہام ہے کسی معتبر شخص کا نام مذکور نہیں ہے اس لیئے انصاف و دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ احترام صحابہ کرام کا پہلو ملحوظ رہنا چاہیئے۔ اور سبائیوں تبرائیوں کی خرافات پر توجہ نہ دینی چاہیئے۔

امام حسین و امام معاویہ رضی اللہ عنہما بھائی بھائی

اپنے بڑے بھائی کی اتباع میں زینت بزم شہدائے اسلام امام حسین رضی اللہ عنہ نے بھی کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی چنانچہ اہل سنت و جماعت کی معتبر بہت سی کتب کے علاوہ مشہور تفضیلی شیعہ

مؤرخ احمد بن ابی داؤد دینوری نے اپنی کتاب اخبار الطوال ص۲۲۰ پر حضرت حسینؓ کا فرمان یوں نقل کیا ہے: انا قد بایعنا دعا هدنا ولاسبیل الی نقض بیعتنا بلاشبہ ہم نے (حضرت معاویہؓ سے) بیعت کی اور معاہدہ کیا۔ اب اس بیعت کو توڑنے کی کوئی سبیل (گنجائش) نہیں۔

ان پاکیزہ فطرت حضرات کے اس مصالحتی عمل سے جہاں اہل ایمان کے قلوب واذہان میں خوشی ومسرت کی لہریں دوڑیں وہاں وقت کے سبائی سازشی ٹولہ کے حسرت وغم کے مارے منہ لٹک گئے کیونکہ اس گروہ کے سربراہ ابن سبا یہودی ملعون نے امامت کا عقیدہ ختم نبوت پر شب خون مارنے کے لیے گھڑا تھا اور پھر جن حضرات اہل بیت کی طرف اس کو منسوب کیا تھا ان میں سے حضرت علیؓ نے صلح کرکے اور حضرت حسنؓ نے صلح کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے حق میں اپنی خلافت سے دستبردار ہوکر اس عقیدہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا: ظاہر ہے کہ اگر امامت بھی نبوت کی طرح کوئی خاص منصب ہوتا اور امام کا تقرر بھی نبی کی طرح براہ راست منجانب اللہ ہوتا تو یہ حضرات قطعی طور پر یہ منصب چھوڑ کر دوسروں کے سپرد کر دینے کے مجاز نہ تھے۔ حضرت حسنؓ کا یہ عمل جہاں حضرت معاویہؓ کے مومن وعاشق رسالت ہونے کی دلیل ہے وہاں سبائیوں تبرائیوں شیعوں کی پشت پر عبرتناک کوڑا بھی۔

حضرت حسینؓ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید

ملا باقر مجلسی جلاء العیون ص۳۴۷ پر بحوالہ شیخ ابن بابویہ قمی معتبر سند کے ساتھ حضرت امام زین العابدین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو حضرت حسینؓ کے ساتھ حسن سلوک اور کسی قسم کی اذیت وتکلیف نہ پہنچانے کی تاکید فرمائی تھی لکھتے ہیں "امام حسینؓ پس میدانی نسبت وقرابت او بانحضرت

رسالتؐ و او پارۂ تن آنحضرتؐ است و از گوشت و خون آنحضرت پرورده است و من میدانم که البتہ اہلِ عراق اورا بسوئے خود خواہند برد و یاری او نخواہند کرد و او را تنہا خواہند گذاشت اگر باو ظفر یابی حق حرمت او را بشناس و منزلت و قرابت او با پیغمبر بیاد آور و او را بکردھائے او مواخذہ مکن و درو لبطے کہ من باو دریں مدت محکم کردہ ام قطع مکن زنہار کہ باو مکر دہے و آسیبے برسانی "۔ پس حضرت حسینؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت و رشتہ داری کو تو خوب جانتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد پاک کا ٹکڑا اور آپ ہی کے گوشت اور خون سے پلے ہوئے ہیں اور مجھے خوب علم ہے کہ عراق کے لوگ ضرور ان کو اپنی طرف لے جائیں گے (مگر) آپ کی مدد نہ کریں گے ۔ آپ کو بے یار و مددگار اکیلا چھوڑ دیں گے اگر تجھے ان پر کامیابی حاصل ہو تو ان کے حق احترام کو پہچاننا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے مرتبہ و قرابت کو یاد رکھنا اور ان کے اعمال پر گرفت نہ کرنا اور اس مدت میں جو تعلقات و مراسم اُن کے ساتھ میں نے استوار کئے ہیں انھیں قطع نہ کرنا خبردار اگر تو نے انھیں کوئی رنج و اذیت پہنچائی " اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ امام حسینؓ کی عظمت و رفعت کو دل سے مانتے تھے اور آپ کے مراسم و تعلقات ان کے ساتھ مضبوط و محکم تھے ۔ تبھی تو اپنے بیٹے یزید کو بڑی تاکید کے ساتھ یہ وصیت فرمائی ۔ اس لیے یزید کے عہد حکومت میں آپ اور آپ کے رفقاء و رشتہ داروں کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی ذمہ داری سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد نہیں کی جا سکتی ۔

ہم شیعہ مذہب کی کتابوں سے جائزہ لیتے ہیں کہ بنیادی طور پر واقعہ کربلا کے ذمہ دار کون ہیں ۔

حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کا خطبہ جو واقعۂ کربلا کے موقع پر فرمایا ملا باقر مجلسی تحریر کرتے ہیں "کہ جب شیعانِ کوفہ حضرت حسینؓ کے بقیہ خاندان کو لے کر کوفہ پہنچے

تو سارے شہری اپنے گھروں سے باہر نکلے اور مظلوموں کو دیکھ کر گریہ وزاری و نوحہ خوانی کرنے لگے اور نوحہ و شیون میں آسمان سر پر اٹھا لیا تو حضرت زینب دختر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ چپ ہو جاؤ اور پھر حمدِ خدا اور صلوٰۃ بر رسولِ خدا کے بعد فرمایا: "اے اہل کوفہ و اہلِ غدر و مکر و حیلہ آیا شما برما میگریید ھنوز آب دیدۂ ما از جور شما نہ ایستادہ و نالۂ ما از ستم شما ساکن نگردیدہ مثل شما مثل آں زن است کہ رشتہ خود را محکم میتابید و باز میگشود و شما نیز رشتۂ ایمان خود را گسستید و بکفر خود برگشتید" اے کوفیو! اے غدارو مکارو۔ حیلہ بازو کیا تم بھی ہم پر روتے ہو۔ ابھی تو ہماری آنکھوں کا پانی تمہارے جور کی وجہ سے تھما بھی نہیں اور ہمارے نالے تمہارے ظلم کی وجہ سے ساکن بھی نہیں ہوئے۔ تمہاری مثال تو اس عورت کی ہے جو خود ہی مضبوط کر کے سُوت کاتے اور پھر خود ہی اسے اُدھیڑ دے اور تم نے بھی اپنے ایمان کے سُوت کو پہلے کاتا اور پھر اپنے کفر کی طرف پھر گئے آگے لکھتے ہیں" از حضرت امام موسیٰ کاظم (ع) منقول است کہ بعد آزاں فاطمہ دختر حضرت سید الشہداء ایں خطبہ خواند" حضرت موسیٰ کاظم سے منقول ہے کہ اس کے بعد حضرت حسینؓ کی دختر حضرت فاطمہ نے خطبہ دیا: (حمد و صلوٰۃ کے بعد) اے اہل کوفہ و اہل مکر و غدر و تکبر و حیلہ: "حق تعالیٰ ما اھلیت رسالت را بشما مبتلا گردانیدہ و شما را بما محتن ساختہ" اے کوفیو۔ اے مکارو غدارو۔ متکبرو حیلہ بازو حق تعالیٰ نے ہم رسالت کے اہل بیت کو تمہاری آزمائش میں ڈالا اور تمہیں ہمارے متعلق امتحان میں ڈالا (چند سطروں کے بعد)۔

پس شما تکذیب کردید مارا و مارا کافر شمردید و قتال مارا حلال دانستید و اموال مارا غارت کردید و مارا اسیر کردید مانند اولاد ترک و کابل چنانچہ دیروز جد ما را کشتید و پیوستہ خون ما اہل بیت از شمشیرھائے شما می چکد برائے کینہ ھائے

دیرینہ و دیدھا و دلہائے شما شاد شد بکشتن ما (چند سطروں کے بعد) دلہائے شما سنگین شد و جگر ہائے شما غلیظ شد و مہر شقاوت بر دلہائے شما زدہ شد" پس تم نے ہم کو جھٹلایا اور ہم کو کافر شمار کیا اور ہمارے ساتھ قتال کو حلال جانا اور ہمارے مال لوٹ لیئے اور ہم کو ترک و کابل کی اولاد کی مانند قید کیا جیسا کہ کل ہمارے دادا کو قتل کیا تھا تمہاری تلواروں سے دیرینہ کینوں کی بنا پر ہم اہل بیت کا خون عرصہ سے ٹپک رہا ہے اور تمہاری آنکھیں اور دل ہمیں مار ڈالنے پر خوش ہو گئے۔ تمہارے دل تو پتھر ہو گئے اور تمہارے جگر سخت ہو گئے اور بدبختی کی مُہر تمہارے دلوں پر لگا دی گئی اور حضرت ام کلثوم خواہر حضرت حسینؓ کے خطبہ کا ایک حصّہ مجلسی یوں نقل کرتے ہیں۔" ندا کرد حاضر ازا کہ اے اھل کوفہ بدا حال شما و ناخوش باد روھائے شما بچہ سبب برادرم حسین را خواندید و یاری او نکردید و او را بقتل آوردید و اموال او را غارت کردید و پردگیان حرم سرائے او را اسیر کردید وائے بر شما و لعنت بر روھائے شما" حاضرین سے فرمایا اے اہل کوفہ تمہارا حال بُرا ہو اور تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ کس سبب سے تم نے میرے بھائی حسینؓ کو بلایا تھا اور (پھر) ان کی مدد نہ کی اور انھیں قتل کر کے چھوڑا اور ان کے مال لوٹ لیے اور ان کی پردہ دار حرم سرائے کو قیدی بنایا۔ تمہارا بُرا ہو اور تمہاری شکلوں پر لعنت و پھٹکار ہو:" (آگے لکھتے ہیں) پس شعرے در مرثیہ سید شہدا گفت۔ اہل کوفہ خروش و اویلاہ واحسرتاہ برآوردند و صدائے نالہ وزاری و گریہ و سوگواری و نوحہ و خروش بفلک سیہ پوش رسانیدند و زنان ایشاں مویہا بر سر پریشاں کردند و خاک حسرت بر فرق خود ریختند و رُوھائے خود را خراشیدند و طمانچہ بر رخسار خود میزدند و واویلاہ و واثبوراہ میگفتند و حشتی شد کہ دیدۂ روزگار ہرگز چناں ماتمی ندیدہ بود" پس حضرت ام کلثوم نے حضرت سید الشہدا کے مرثیہ میں ایک شعر پڑھا: اہل کوفہ نے

ھائے تباہی ھائے حسرت کی چیخ لگائی ۔ اور گریہ وزاری اور نوحہ خوانی کے شور آسمان تک پہنچا دیے ۔ ان کی عورتوں نے سر پر بال بکھیر لیے اور حسرت سے خاک اپنے سروں میں ڈال لی ۔ اپنے چہرے نوچ ڈالے ۔ چہرے پر طمانچے مارے اور ھائے بربادی ھائے ہلاکت پکارنے لگیں ایسا وحشت کا عالم تھا کہ زمانہ کی آنکھ نے ہرگز ایسا ماتم نہ دیکھا ہوگا ۔" (آگے لکھتے ہیں کہ امام زین العابدینؒ نے کہا خاموش ہو جاؤ میری بات سنو ۔ پھر کھڑے ہو کر حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ خطبہ دیا ۔" ایھا الناس سوگند میدہم شما را بخدا کہ آیا میدانید کہ نامھا بپدر من نوشتید و او را فریب دادید و عہد و پیمانھا با و نوشتید و با او بیعت کردید و در آخر کار با او کارزار کردید و دشمن را براو مسلط کردید پس لعنت بر شما باد ۔" اے لوگو ۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں ۔ کیا تم جانتے ہو کہ میرے والد کو تم نے خطوط تحریر کیے اور پھر ان کو دھوکہ دیا ۔ اور ان کے ساتھ عہد و پیمان تحریری طور پر کئے اور ان کی بیعت کی اور انجام کار اُن کے ساتھ جنگ کی اور ان پر دشمن کو مسلط کیا ۔ پس تم پر لعنت ہو ۔" (آگے لکھتے ہیں) چوں حاضراں ایں سخن را شنیدند ھمہ فریاد برآوردند کہ یا بن رسول اللہ ما ھمہ سخن تو را مے شنویم و حرمتِ تو را مے شناسیم و خواھاں خدمتِ تو ھستیم ھرچہ مے خواہی بفرما کہ فرماں بردار تو ئیم و ھر کہ با تو جنگ کند با او جنگ میکنیم و ھر کہ با تو صلح کند با او صلح میکنیم و طلب خونھائے تو از ستمگاران تو میکنیم ۔" جب حاضرین نے آپ کی گفتگو سنی تمام فریاد کرنے لگے کہ اے رسول اللہ کے فرزند ہم آپ کی بات سن رہے ہیں اور آپ کی عظمت کو پہچانتے ہیں اور آپ کی خدمت کو چاہنے والے ہیں ۔ آپ جو چاہیں فرمائیں ہم آپ کے فرماں بردار ہیں ۔ جو شخص آپ کے ساتھ جنگ کرے گا اسکے ساتھ جنگ اور جو صلح کرے گا اس کے ساتھ صلح کریں گے اور آپ کے خونوں کا آپ پر ظلم کرنے والوں سے مطالبہ کریں گے (مجلسی لکھتے

ہیں) حضرت فرمود هیمات اے غداران و مکاران دیگر ما بازی شما نمیخوریم و دروغہائے شما را باور نمیکیم میخواہید با من نیز چناں کنید کہ با پدرانم کردید نہ بحق خداوند آسمانہائے داور کہ اعتماد برگفتار شما نمیکنم و چگونہ باور کنم دروغہائے بے فروغ شما را و ہنوز جراحت دلہائے ما مندمل نہ شدہ است" حضرت زین العابدینؒ نے فرمایا دُور۔ دُور اے غدارو۔ اے مکارو۔ دوسری بار ہم تم سے زخم نہ کھائیں گے اور تمہارے جھوٹے الفاظ پر یقین نہ کروں گا تم چاہتے ہو؟ کہ میرے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرو جیسا کہ میرے بڑوں سے کیا۔ نہ (ایسا نہ ہوگا) آسمانوں کے مالک خدا کے حق کی قسم اگر میں تمہاری زبان پر اعتماد کروں؟ اور تمہاری کذب بیانیوں پر کیسے یقین کرلوں ابھی تو ہمارے دلوں کے زخم بھی بھرے نہیں۔

(مزید لکھتے ہیں) چوں داخل کوفہ شدند اھل کوفہ امام زین العابدین را دیدند بسیار رنجور و نحیف است دست مبارکش را در گردن غل کردہ اند و مخدّرات استار عصمت را بر شتراں برھنہ سوار کردہ اند صدا بنوحہ و شیون و گریہ بلند کردند حضرت بآواز ضعیف گفت کہ شما بر ما نوحہ و گریہ مے کنید پس کہ ما را کشتہ است" واقعۂ کربلا کے بعد جب کوفی غدار بقیہ حضرات کو لے کر کوفہ میں داخل ہوئے تو اہل کوفہ نے یہ دیکھ کر کہ امام زین العابدین بہت بیمار و لاغر ہیں اور آپ کے ہاتھ گردن میں طوق کئے ہوئے ہیں اور پردہ دار عورتوں کو برہنہ اونٹوں پر سوار کیا ہوا ہے گریہ و زاری اور نوحہ و شیون میں آوازیں بلند کیں حضرت زین العابدینؒ نے بڑی نحیف آواز میں فرمایا تم ہم پر نوحہ کرتے ہو؟ آخر تمہارے سوا ہمارا قاتل کون ہے؟ (امام زین العابدین کا یہ فرمان کشف الغمہ ص ۵۱/۵۲ ج ۲ میں علامہ اربلی شیعی نے بھی عربی میں نقل کیا ہے) حضرت امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ کے بھی چند اقتباسات ملاحظہ ہوں: ملا باقر مجلسی شیعی لکھتے

ہیں۔" وائے بر شما اے اہل کوفہ آیا پیمانہا و نامہائے خود را کہ مؤکد بایمان نوشتہ بودید برطاق نسیان گذاشتید بے شرماں شما باہل بیت پیغمبر خود نوشتید کہ بدیار ما بیائید کہ جان خود را فدائے شما میکنیم اکنوں کہ آمدند آب را از ایشاں مضایقہ میکنید و میخواہید کہ پسر زیاد بے بنیاد را بر ایشاں مسلط گردانید" اے کوفہ کے رہنے والو۔ تمہارا برا ہو کیا اپنے عہد و پیمان اور خطوط کو طاقِ نسیاں میں رکھ دیا جو تم نے قسموں کے ساتھ پختہ کر کے تحریر کیے تھے۔ بے حیاؤ: تم نے تو اپنے پیغمبر کے اہل بیت کو یہ لکھا تھا کہ ہمارے علاقہ میں آجاؤ۔ ہم تم پر اپنی جان بھی قربان کریں گے اب جب وہ آگئے تو پانی بھی ان تک پہنچنے نہیں دیتے۔ اور زیاد بے بنیاد کے لڑکے کو ہم پر مسلط کرنا چاہتے ہو:

"پس لعنت بر شما باد و بر ارادات شما باد اے بے وفایان جفاکار غدار ما را درھنگام اضطرار بمدد و یاری خود طلبیدید چوں اجابت شما کردیم و بھدایت و نصرت شما آمدیم شمشیر کینہ بروئے ما کشیدید و دشمنان خود را بر ما یاری کردید و از دوستان خدا دست بر داشتید (چند سطروں کے بعد ہے) قبیح باد روھائے شما اے گمراھانِ امت و ترک کنندگان کتاب و متفرقان احزاب و پیروان شیطان و ترک کنندگان خیر الانام و کشندگانِ اولادِ پیغمبران و ہلاک کنندگان عترت و اوصیائے ایشان" پس تم پر اور تمہارے ارادوں پر لعنت و پھٹکار ہو۔ اے ظالم و غدار بے وفاؤ: تم نے ہم کو مجبوری کے وقت اپنی مدد کے لیے بلایا۔ جب ہم نے تمہاری درخواست مان لی اور تمہاری ہدایت و نصرت کے لیے آگئے۔ تم نے کینہ کی تلوار ہم پر سونت لی۔ اور اپنے دشمنوں کی مدد کی اور خدا کے دوستوں سے دستبردار ہو گئے: تمہارے چہرے بگڑ جائیں۔ اے امت کی گمراہ جماعت اور کتاب کے چھوڑنے والو اور لشکروں میں سے بکھرنے والو اور شیطان کے پیروکارو حضرت

خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے والو اور انبیاء کی اولاد کو قتل کرنے والو اور ان کی عترت اور اوصیاء کو ہلاک کرنے والو۔

(یہ تمام خطبات ملا باقر مجلسی کی مشہور کتاب جلاء العیون صفحہ ۳۹۰ تا ۳۹۱ اور صفحہ ۴۲۳ تا صفحہ ۴۲۷ منتشر قاً نقل کیے گئے ہیں) بہرکیف حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور امام علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہ و دیگر قابل احترام خواتین کی گفتگو کا تمام تر رخ واقعہ کربلا کی ذمہ داری سے متعلق کوفہ کے دعوت دینے والے شیعوں کی طرف ہے۔ جس سے بجا طور پر وہی اس ظلم وستم کے بنیادی مجرم قرار پاتے ہیں۔ ان خطبات سے یہ حقیقت بھی الم نشرح ہوگئی کہ یہ نالہ وشیون اور نوحہ خوانی و گریہ وزاری۔ سینہ کوبی و چہرہ خراشی مرثیہ سرائی اور خاک ریزی آج کے شیعہ فرقہ کے کوفی اجداد کا منحوس طریقہ ہے۔ جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانا ظلم عظیم ہے۔ حضرت حسین رضؓ اور آپ کے رفقاء ورشتہ داروں کو اور آپ کے قاصد حضرت مسلم بن عقیل کو خاک وخون میں تڑپانے کی بنیادی طور پر ذمہ داری انھیں منافق شیعوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے مسلسل خطوط اور وفود بھیج کر کوفہ آنے کی دعوت دی اور لکھا کہ ایک لاکھ تلواریں آپ کی حمایت کے لیے مہیا کی گئی ہیں۔ اور پھر حضرت مسلم بن عقیل سے غداری کرکے انہیں شہید کیا۔ اور پھر عبداللہ بن یقطر آپ کے برادر رضاعی کو شہید کرایا۔ حضرت حسین جب اپنے پورے قافلہ سمیت پہنچے تو سیاسی رشتوں اور تحائف لے کر ابن زیاد کے ساتھ جا ملے۔ نواسۂ رسول بارہ ہزار خطوط کے بنڈل کھول کر جن جن بلانے والوں کے نام پکار رہے ہیں وہی لوگ مخالف لشکر کے سالار و سپاہی بن کر خون آشام تلواریں لیکر مقابلہ کے لیے سامنے کھڑے نظر آرہے ہیں۔ آپ کے دردناک خطبات بار بار سننے کے باوجود بدبخت اپنے نفاق پر قائم ہیں۔ امام عالی مقام کی زبان مبارک سے کربناک انداز میں اپنے متعلق غدار

مکار۔ جفاکار۔ بے شرم بے حیا۔ گمراہ وغیرہ مبنی برحقیقت الفاظ سن رہے ہیں مگر ان کے باطن کی سیاہی نہیں دھلتی آپ بے کسی کے عالم میں شرائط ثلثہ میں سے ایک شرط: میری یزید سے ملاقات کرادو تاکہ اس کے ہاتھ پر بیعت کرلوں۔ پیش کرتے ہیں مگر وہ اس پر بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اب اگر یزید صرف اس لیے مستحق لعنت ہے کہ اس کے دور حکومت میں یہ واقعہ پیش آیا اور اس نے ابن زیاد سے کوئی ایکشن نہ لیا نہ اسے معزول کیا اور نہ ہی ملامت کی کوئی چٹھی لکھی (چونکہ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص۱۱۲ پر حضرت العلامہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں کہ تاریخ کی کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں کہ یزید نے حضرت حسینؓ کو خود شہید کیا ہو یا آپ کے قتل کا حکم دیا ہو) تو کیا کوفہ کے منافق شیعہ جنہوں نے براہ راست یہ تمام سیاہ کارنامے انجام دیے یزید سے بھی بدرجہا زیادہ لعنت و پھٹکار اور مذمت کے مستحق نہیں؟ میدانِ کربلا میں حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر ڈھایا جانے والا ظلم وستم شیعیت کی پیشانی پر وہ سیاہ دھبہ ہے جسے وہ قیامت تک بھی مگرمچھ کے آنسو بہا کر اور سینہ کوبی و شمشیر زنی کرکے نہیں دھو سکتی۔ شیعوں کے یہ تمام سیاہ کارنامے یزید پر اُن کی لعنت و پھٹکار کے نعروں کے شور وغل میں مستور ہوکر رہ جاتے ہیں ہمارے سادہ لوح اہل سنت دوست بھی یہ حقیقت سمجھ نہیں پاتے کہ اپنے کوفی آباؤ اجداد کی پیروی میں سینہ کوبی و نوحہ خوانی کا جو کاروبار شیعہ فرقہ کی طرف سے آج تک بدستور جاری ہے یہ حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں۔ رشتہ داروں کے ساتھ روا رکھے گئے اپنے مظالم و سیاہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کی ایک منافقانہ چال ہے۔ سطور بالا مذکورہ سے یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جائے کہ یزید بالکل بے گناہ تھا۔ وہ یقیناً اس اعتبار سے بڑا قصوروار تھا کہ اس کے عہدِ حکومت میں ایسا واقعہ رونما ہوا مگر اس نے کوفہ کے گورنر ابن زیاد کو اس پر نہ معزول کیا۔ نہ کوئی سزا دی اور نہ ہی زجر و

تو بیخ پر شامل کوئی چٹھی لکھی : ہماری غرض تو تاریخی روایات اور میدانِ کربلا کے مظلوموں کے بیانات کی روشنی میں اس واقعہ کے اصل مجرموں کے چہرہ سے نقاب اٹھانا ہے :

علاوہ ازیں اگر یہ منطق درست تسلیم کر لی جائے کہ حضرت معاویہؓ اس واقعہ کے ذمہ دار ہیں چونکہ آپ نے یزید کو ولیعہد بنایا تو کیا شیعہ فرقہ اس بات کو ماننے پر تیار ہوگا ؟ کہ اصل میں اس کی ذمہ داری حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر عائد ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح فرمائی اور خلافت سے بھی ان کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے اگر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح نہ کرتے اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار نہ ہوتے تو نہ حضرت معاویہؓ خلیفہ برحق ہوتے اور نہ یزید کی ولیعہدی کا دروازہ کھلتا واضح ہو کہ سیدنا امام معاویہ رضی اللہ عنہ پوری نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ یزید کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے اور یہی اس کو ولیعہد بنانے کی بنیاد تھی محض شفقتِ پدری اس کا داعیہ نہ تھا ۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں یزید کی ولایت سے متعلق حضرت معاویہؓ کی دعا کے یہ کلمات نقل کیے ہیں :

"اللّٰھم ان کنت عھدتُ لیزید لما رأیت من فضلہٖ فبلّغہ ما املت و اَعِنْہُ و ان کنت انما حملنی حب الوالد لولدہ وانہ لیس لما صنعت بہ اھلاً فاقبضہ قبل ان یبلغ ذلک" اے اللہ اگر یزید کو میں نے اس میں کوئی فضلیت دیکھ کر اپنا جانشین چُنا ہے تو اسے میری آرزو تک پہنچا دے اور اس کی نصرت فرما اور اگر (تیرے علم کے مطابق) اس ولیعہدی پر محض اولاد کی محبت نے اُبھارا ہے اور وہ ان ذمہ داریوں کا اہل نہیں تو اسے تختِ خلافت پر پہنچنے سے قبل ہی دنیا سے اٹھا لے : اگر حضرت معاویہؓ کے دل میں کچھ بھی کھوٹ ہوتی تو صحابیٔ رسول اور کاتبِ وحی ہو کر یزید سے متعلق اتنے وثوق سے خدا کی بارگاہ میں یوں درخواست پیش نہ فرماتے اور پھر دعا بھی جمعہ کے دن ہو اور مسجد کے منبر پر ؟ آخر میں ایک شبہ کا

ازالہ کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت حسینؓ کی نظر میں اگر یزید اہل تھا تو اس کے خلاف خروج کیوں فرمایا اور اگر نااہل تھا تو پھر واپسی کا ارادہ یا یزید سے براہ راست ملاقات کرکے اس کے ہاتھ پر بیعت کی خواہش کا اظہار کیوں فرمایا؟ ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی تشریح کے سلسلہ میں مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تحریر پیش کرتے ہیں لکھتے ہیں:" حضرت حسین رضی اللہ عنہ بذات خود شروع ہی سے یزید کو خلافت کا اہل نہ سمجھتے تھے اور جیسا کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے یہ ان کی دیانتدارانہ رائے تھی۔ جب حضرت معاویہؓ کی وفات ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ حجاز کے اکابر اور اہل حل و عقد نے جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ شامل تھے ابھی تک یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ اُدھر عراق سے ان کے پاس خطوط کا انبار لگ گیا جس سے واضح ہوتا تھا کہ اہل عراق بھی یزید کی خلافت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہاں کے لوگ مسلسل انہیں یہ لکھ رہے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے اور ہم نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ اِن حالات میں ان کا موقف یہ تھا کہ صرف اہل شام کی بیعت پوری امت پر لازم نہیں ہوسکتی لہٰذا اس کی خلافت ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود وہ پورے عالم اسلام پر بزور متصرف ہونا چاہ رہا ہے تو اس کی حیثیت ایک ایسے سلطان متغلب کی سی ہے جو غلبہ پانا چاہتا ہے مگر ابھی پا نہیں سکا۔ ایسی حالت میں اس کے غلبہ کو روکنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اسی لیے انہوں نے پہلے حالات کی تحقیق کے لیے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو روانہ کیا تاکہ صحیح صورتِ حال معلوم ہوسکے۔ لہٰذا کوفہ کی طرف ان کا کوچ فقہی نقطۂ نظر سے بغاوت کے لیے نہیں تھا (جیسا کہ آج خارجی ذہنیت کے حامل لوگ لکھتے ہیں اور معاذ اللہ آپ کو باغی قرار دے کر آپ کی مظلومانہ شہادت کا مذاق اڑاتے ہیں از حسینیؓ) بلکہ ایک متغلب کے غلبہ کو روکنے کے لیے تھا۔ اگر ان کی نظر میں صورتِ حال یہ ہوتی کہ یزید پورے عالم اسلام پر بزور قابض ہو چکا ہے اور اس کا تسلط مکمل ہوگیا ہے

تب بھی وہ بحالتِ مجبوری احکامِ شریعت کے مطابق یزید کو سلطان متغلب تسلیم کر کے خاموش ہو جاتے۔ لیکن ان کی نظر میں صورتِ حال یہ تھی کہ یزید کا تسلط ابھی مکمل نہیں ہوا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے اقتدار کو ابھی روکا جا سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب کوفہ کے قریب پہنچنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ کوفہ کے لوگوں نے غداری کی ہے اور یزید کا تسلط وہاں پر مکمل ہو گیا ہے تو انہوں نے وہ تین مشہور تجاویز پیش کیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ " اما ان اضع یدی فی ید یزید " یا پھر میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں گا :

اس کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یزید کا تسلط پوری طرح قائم ہو چکا ہے تو سلطانِ متغلّب کی حیثیت سے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کے لیے رضا مند ہو گئے تھے (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص ۱۱۱/۱۱۲) حضرت عثمانی صاحب مدظلہٗ کی مذکورہ بالا عبارت سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف پر ضروری روشنی پڑتی ہے اور مذکور الصدر سوال کا جواب معلوم ہو جاتا ہے۔ خارجی ذہنیت کے حامل بعض افراد نہ صرف یہ کہ حضرت حسینؓ کے صحابی ہونے کا انکار کرتے ہیں بلکہ کوفہ روانگی کے وقت از راہ ہمدردی آپ کو کوفہ نہ جانے کا مشورہ دینے والے حضرات کی گفتگو کو بنیاد بنا کر آپ کو فاتر العقل۔ باغی۔ اقتدار پرست کہنے سے بھی نہیں شرماتے اِن حضرات نے گو کوفیوں کی سابقہ بے وفائیوں کے پیش نظر آپ کو جانے سے روکا تھا۔ مگر ان کے ذہن میں دور دور تک بھی یہ تصوّر نہ تھا کہ فی الواقع کوفہ پہنچ کر آپ کے ساتھ ایسا ہولناک واقعہ پیش آجائے گا اور حضرت حسینؓ کے گوشۂ خیال میں بھی اس وقت تک ایسی بات نہ تھی۔ ان مشورہ دینے والوں نے شرعی نقطۂ نگاہ سے آپ کے کوچ کو قطعی طور پر بغاوت خیال نہ کیا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ کوفہ جانے سے روکتے ہیں مگر یہ نہیں کہتے کہ آپ کا یہ اقدام بغاوت ہے۔ آپ اس سے باز رہیں مگر یہ نہیں

کہتے کہ آپ کا یہ اقدام بغاوت ہے ۔ آپ اس سے باز رہیں ورنہ خدا کے ہاں جوابدہ ہوں گے آخر ایسا کہنے سے انہیں کیا چیز مانع تھی : اور پھر جب آپ مع رفقاء ورشتہ داران میدانِ کربلا میں شہید کر دیے گئے تب بھی آپ کے بارہ میں کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا جس سے آپ کا یہ خروج بغاوت قرار پائے ۔ بلکہ ان حضرات کے لیئے رحمت کی دعائیں مانگیں اور کوفیوں کی غداری پر نہایت تاسف وغم وغصّہ کا اظہار کیا ۔ کتنا ستم ہے کہ اپنے آپ کو تو معترضین عقل وتدبیر کا بادشاہ تصوّر کریں اور آغوشِ نبوت میں نشو ونما پانے والے فرزندِ علی جگر گوشۂ بتول کو اس دولت سے عاری خیال کریں ۔ اللہ تعالیٰ محبوبان خدا ورسول کے متعلق ناشائستہ کلمات کہنے سے محفوظ رکھے ۔ آمین یاربّ العلمین

حضرت معاویہؓ سے وظائف کی وصولی

کتب اہل سُنّت وجماعت میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو وقتی طور پر پیش کیے جانے والے ہدایا اور تحائف کے علاوہ حضرت معاویہؓ جو سالانہ وظیفہ دیتے تھے اور یہ حضرات ان کو خلیفۂ برحق مان کر وصول کرتے تھے اس کی مقدار ایک لاکھ درہم سے پندرہ لاکھ درہم تک منقول ہے ۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں :

حسین بن واقد عن ابن بریدۃ دخل الحسن بن علی علی معاویۃ فقال لاجیزنّك بجائزۃ لم یجزھا احد کان قبلی فاعطاہ اربع مئۃ الف ۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۴ ج ۳)

حسین بن واقد حضرت ابن بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ بن علی حضرت معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے فرمایا میں آپ کو اتنا انعام دوں گا کہ مجھ سے قبل کسی نے نہ دیا ہوگا ۔ پس آپ نے حضرت حسنؓ کو چار لاکھ درہم دیئے

جریر عن المغیرۃ قال بعث الحسن وابن جعفر الی معاویۃ

یسئالانہ فاعطی کلا منھما مئۃ الف ۔ (سیر اعلام النبلاء ص۱۵۵ ج ۳)

جریر حضرت مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ اور فرزند حضرت جعفرؓ (عبداللہ) نے قاصد بھیجا یہ دونوں حضرات اس کے ذریعہ حضرت معاویہؓ سے وظیفہ مانگتے تھے پس آپ نے دونوں حضرات کو ایک ایک لاکھ (درہم) عطا فرمائے۔

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دعا بتلائی

بیہقی اور ابنِ عساکر نے ہشام کے والد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔ ایک سال یہ وظیفہ نہ پہنچا۔ تو آپ کے ایام تنگی سے گذرنے لگے۔ ایک بار آپ نے حضرت معاویہؓ کو یاد دھانی کے لیے رقعہ لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر کچھ سوچ کر رُک گئے اسی رات آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا بیٹے حسن کیا حال ہے؟ آپ نے جواب میں ذرا تنگدستی کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے قلم دوات اسی لیے منگوائی تھی کہ اپنے جیسی مخلوق کی طرف عرضداشت لکھیں۔ عرض کیا جی ہاں بات تو یہی ہے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ دعا پڑھا کرو۔

الفاظِ دعا

اَللّٰھُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَکَ وَاقْطَعْ رَجَائِیْ عَمَّنْ سِوَاکَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْا اَحَدًا غَیْرَکَ اَللّٰھُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْہُ قُوَّتِیْ وَقَصُرَ عَنْہُ عَمَلِیْ وَلَمْ تَنْتَہِ اِلَیْہِ رَغْبَتِیْ وَلَمْ تَبْلُغْہُ مَسْئَالَتِیْ وَلَمْ یَجْرِ عَلٰی لِسَانِیْ مِمَّا اَعْطَیْتَ اَحَدًا مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مِنَ الْیَقِیْنِ فَخُصَّنِیْ بِہٖ

یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْن ۔

راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کو پڑھتے حضرت حسنؓ کو ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے آپ کو پندرہ لاکھ (درہم) موصول ہو گئے آپ نے فرمایا اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو اپنے یاد کرنے والے کو بھولتا نہیں اور مانگنے والے کو محروم نہیں کرتا ۔ اس کے بعد پھر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ۔ تو آپ نے یہ واقعہ سنایا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹے اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور مخلوق سے التجا نہ کرنے کا یہی اثر ہوتا ہے ۔ (بحوالہ سیرۃ الخلفاء اردو ص ۲۱۱/۲۱۲)

شیعہ کتب سے

مشہور شیعی ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے اپنی شرح کی جلد نمبر ۱۵ پر تحریر کیا ہے فانہ کان یجیز الحسن والحسین ابنی علی فی کل عامٍ لکل واحد منھما بالف بالف درھم ؛ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو ہر سال الگ الگ دس لاکھ سالانہ وظیفہ دیتے تھے ۔

احتجاج طبرسی جلد دوم ص ۲۸۸ پر مذکور ہے ؛ فلما سمع معاویہ امر لکل واحد منھم بمائۃ الف درھم غیر الحسن والحسین وابن جعفر فانہ امر لکل واحد منھم بالف الف درھم ؛ جب حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کی گفتگو سنی تو دوسرے حاضرین میں سے ہر ایک کو ایک لاکھ درہم اور حضرات حسنین اور پسر جعفر طیارؓ ۔ (عبداللہ جن کے فرزند کا نام معاویہ تھا) کو الگ الگ دس دس لاکھ درہم دینے کا حکم فرمایا ۔

شرپسندی کی انتہا

پاکیزہ فطرت اور روشن ضمیر حضرات کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ صلح کے بعد سابقہ

اختلافات کے نتیجہ میں پیدا ہو جانے والی تمام قلبی کدورتوں اور رنجشوں کو فراموش کر کے باہم شیر و شکر ہو جاتے ہیں اور مستقبل میں ہر ایسے اقدام سے گریز کرتے ہیں جس سے پہلے جیسی مکدّر فضا قائم ہو: حضرات صحابہ کرام کی صلح بالکل ایسی ہی ہوتی تھی۔ اس مقدس طبقہ کے نزدیک دورِ حاضر کی سی رسمی مصالحت جسے حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ عجؒ دل میں ہو لاکھ دشمنی ہاتھ مگر ملائے جا: سے تعبیر کرتے ہیں منافقت و دھوکہ شمار ہوتی تھی۔ جس سے یہ طبقہ کوسوں دور تھا۔ مگر ابنِ سبا کی سازشی ذریت نے جس کا مقصد سوائے خلفشار و انتشار پھیلانے کے اور کچھ نہیں ہے ان حضرات کے بذریعۂ مصالحت شیر و شکر ہو جانے کے باوجود بھی سابقہ اختلافات کو اچھالنے اور اس طرح لوگوں کو صحابہ کرام سے نفرت و عداوت پر ابھارنے کا عمل جاری رکھا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اس تمام کارروائی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ کام اہل بیت عظام کے ساتھ سچی محبت و عقیدت رکھنے والے کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ تو اس شر پسند اور عقربی فطرت طبقہ کا ہی کام ہے جس کو صحابہ کرام و اہل بیت کرام سے قلبی بغض ہو جو اس طرح اپنی ذاتی اغراض پوری کرنا اور تنورِ شکم بھرنا چاہتا ہے صحابۂ کرام کی تو پوری زندگی اتباعِ رسولؐ اور اَلْحُبُّ فِی اللّٰہ و الْبُغْضُ فِی اللّٰہ کے دائرہ میں گھومتی تھی۔ اپنی تمام خواہشات فنا کر ڈالی تھیں فنا فی الرسول ہو چکے تھے۔

علامہ حالیؒ خوب کہتے ہیں:

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی

کفایت جہاں چاہیے واں کفایت
سخاوت جہاں چاہیے واں سخاوت

جچی اور تلی دشمنی اور محبت
نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

اوصاف علیؓ سن کر آنکھیں برس پڑیں

خلفائے راشدین مؤلفہ شاہ معین الدین ندوی ص۳۴۱ پر مذکور ہے: حضرت امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو انہوں نے کہا امیر المؤمنین! اس سے مجھے معاف فرمائیے۔ معاویہؓ نے اصرار کیا ضرار بولے اگر اصرار ہے تو سنیئے وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے۔ فیصلہ کن بات کہتے تھے۔ عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ ان کے ہر جانب سے علم کا سرچشمہ پھوٹتا تھا ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے تھے اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے۔ چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا۔ ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے۔ جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے۔ باوجودیکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے غریبوں

کو مقرب بناتے تھے۔ قوی کو اسکے باطل میں حرص وطمع کا موقع نہیں دیتے تھے ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گذر چکی ہے۔ ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی ڈاڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مارگزیدہ (جسے سانپ ڈس لے) مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے۔ تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے یا میری مشتاق ہوتی ہے۔ افسوس افسوس! میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ جس سے رجعت نہیں ہوسکتی۔ تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے آہ زادِ راہ کم اور سفر دور دراز کا ہے۔ راستہ وحشت خیز ہے: (ضرار کہتے ہیں) یہ سنکر امیر معاویہؓ رو پڑے اور فرمایا خدا ابوالحسنؓ پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔

حضرت معاویہؓ کے دورِ حکومت کی صحیح تصویر

(جسٹس وفاقی شرعی عدالت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کے الفاظ میں)

(دریا بکوزہ کی مثال)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیے۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد ان کا دورِ حکومت تاریخِ اسلام کے درخشاں زمانوں میں ہے جس میں اندرونی طور پر امن وامان کا دور دورہ بھی تھا اور ملک سے باہر دشمنوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے مخالفین نے اُن پر اعتراضات والزامات کا کچھ اس انداز سے انبار لگایا ہے کہ تاریخِ اسلام کا یہ تابناک زمانہ سبائی پروپیگنڈے کے گرد وغبار میں رُوپوش ہوکر رہ گیا ہے (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص۶)

حضرت معاویہؓ کے مصروف لیل ونہار

(از صاحب مروج الذہب علامہ مسعودی شیعی بحوالہ اخبار العرب)

حضرت معاویہؓ کے حسن اخلاق میں یہ بات شامل ہے کہ وہ دن رات میں پانچ بار لوگوں کو اپنے ہاں اپنے مسائل پیش کرنے کی اجازت دیتے تھے: جب نمازِ فجر پڑھ چکتے تو لوگوں کے باہمی امور متنازعہ کا تصفیہ کرتے۔ اس سے فارغ ہو کر گھر تشریف لاتے۔ آپ کو قرآن کریم لاکر دیا جاتا۔ اس کا ایک معتدبہ حصہ تلاوت فرماتے: پھر اہل خانہ کو ضروری ہدایات دیتے اور چار رکعت نماز اشراق ادا فرماتے: پھر اپنے مرکزی ہیڈ کوارٹر چلے جاتے اور خاص الخاص لوگوں کو اجازت ملتی۔ آپ ان کے اور وہ آپ سے ضروری بات چیت کرتے اتنی دیر میں وزراء پہنچ جاتے اور آپ سے شام تک سرانجام دیے جانیوالے امور سے متعلق گفتگو کرتے۔ پھر رات کے بچے ہوئے بکری یا پرندہ کے گوشت کا ناشتہ پیش کیا جاتا: پھر سرکاری ذمہ داریوں پر طویل کلام فرماتے: پھر جب ارادہ ہوتا گھر چلے جاتے اور واپس آجاتے اور خادم سے کہتے کہ کرسی باہر لاؤ۔ حسب حکم کرسی نکال کر مسجد کی طرف رکھ دی جاتی۔ آپ اپنے مخصوص کمرہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کرسی پر بیٹھ جاتے اور حفاظتی نوجوانوں پر شامل گارد کھڑی ہوتی اور کمزور و دیہاتی اور عورت و بچے ہر قسم کے لوگ اپنی حاجات کے لیے آگے بڑھتے: ایک کہتا فلاں نے مجھ پر زیادتی کی ہے۔ آپ حکم فرماتے کہ اس کے ساتھ کوئی کارندہ روانہ کرو جو متعلقہ آدمی سے اس بارہ میں پوچھ گچھ کرے دوسرا کہتا میرے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے۔ آپ حکم فرماتے اس کے معاملہ کی تحقیق کرو: جب آنے والوں میں سے اندر کوئی باقی نہ رہتا۔ تو حکم ہوتا کہ حسب مراتب لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دو اور کوئی شخص مجھے سلام کے جواب سے غافل نہ کرے پھر آنے والا کہتا۔ امیر المؤمنین کی اللہ تعالیٰ عمر دراز عطا کرے: صبح

کیسی ہوئی ؟ آپ فرماتے ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھی ہوئی : جب شرفائے قوم اپنی اپنی جگہ درست ہو کر بیٹھ جاتے ۔ آپ ان سے فرماتے : حضرات آپ اسی لیے معززین کہلاتے ہیں کہ آپ کو میری مخصوص مجلس میں خصوصی طور پر حاضری کا اعزاز دیا گیا ہے : لہٰذا آپ ہم تک ان ضرورت مند لوگوں کی ضرورتیں پہنچاؤ جو یہاں تک نہیں پہنچ پاتے ۔ یہ سنکر ایک شخص کھڑے ہو کر عرض کرتا ۔ جناب عالی : فلاں شخص جہاد میں شہید ہو چکا ہے آپ فوراً اس کے پسماندگان کے لیے وظیفہ کفایت مقرر کرنے کا حکم فرماتے ۔ دوسرا عرض کرتا : کہ فلاں شخص اپنے گھر پر نہیں ہے ضرورۃً باہر گیا ہوا ہے : آپ شرفار کو تاکید فرماتے ۔ اس کے اہل خانہ کا خاص خیال رکھتے ہوئے ان کی ضرورتوں کا بندوبست کرو اور خدمت کرو : پھر صبح کا کھانا لایا جاتا اور آپ کا میر منشی سر پر حاضر کھڑا رہتا ۔ اس دوران کوئی وارد آتا تو فرماتے دسترخوان پر تشریف رکھیے وہ بیٹھ جاتا ۔ ہاتھ بڑھا کر دو تین نوالے ضرور کھاتا ۔ اُدھر میر منشی درخواست پڑھتا جاتا اور آپ اس میں درج کام کے پورا کرنے کا آرڈر دیتے ۔ پھر کہا جاتا کہ اے اللہ کے بندے آپ پیچھے ہٹ جائیے تاکہ دوسرا ضرورت مند آئے ۔ یہاں تک کہ تمام ضرورت مند فارغ ہو جاتے اور بسا اوقات تو چالیس یا کم و بیش ضرورت مند آتے ۔ پھر صبح کا کھانا اٹھا لیا جاتا اور لوگوں سے کہہ دیا جاتا کہ اب چلے جائیں ۔ پس لوگ واپس چلے جاتے پھر آپ اپنے گھر چلے جاتے ۔ اب کوئی ملاقات کی امید نہ کرتا ۔ یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہو جاتی ۔ پس آپ نماز پڑھنے کے لیے باہر آتے ۔ نماز سے فارغ ہو کر چار رکعت نماز اپنے گھر پڑھتے ۔ پھر اپنے دفتر میں تشریف رکھتے اور خاص الخاص لوگوں کو داخلہ کی اجازت ملتی : اگر موسم سرما ہوتا تو ان کے پاس حُجّاج کرام کا توشہ خشک حلوا اور سفید آٹے کی دودھ اور شکر میں گوندھ کر تیار کی گئی ٹکیاں اور تہ بتہ رکھے ہوئے کیک اور خشک میوے وغیرہ لائے جاتے اور اگر موسم گرما ہوتا تو تر و تازہ میوے پیش کئے جاتے : اور اسی اثناء میں آپ کے وزراء بھی پہنچ جاتے ۔

اور آپ سے بقیہ دن کے ضروری امور کے متعلق مشاورت کرتے ۔ یہ نشست آپ کی عصر تک رہتی : پھر باہر آکر نماز عصر پڑھتے ۔ نماز سے فراغت کے بعد گھر چلے جاتے اب کسی کو ملاقات کی اُمید نہ رہتی : جب وقتِ عصر کی آخری گھڑیاں باقی ہوتیں ۔ آپ باہر آتے اور اپنی کرسی پر تشریف رکھتے ۔ پھر حسبِ مراتب لوگوں کو داخلہ کی اجازت دی جاتی ۔ پھر شام کا کھانا پیش کیا جاتا ۔ آپ اس سے اتنی دیر میں فارغ ہوتے کہ مغرب کی اذان ہو ۔ ضرورت مند اشخاص کو اس وقت نہ بلایا جاتا ۔ پھر کھانا اٹھا لیا جاتا ۔ پھر مغرب کی اذان ہوتی ۔ پس آپ باہر تشریف لاکر مغرب کے فرائض ادا کرتے ۔ اس کے بعد چار رکعت ایسی ادا کرتے کہ ہر رکعت میں پچاس آیات تلاوت کی جاتیں ۔ تلاوت کبھی بلند آواز سے اور کبھی پست آواز سے فرماتے : پھر اپنے دولت خانہ پر تشریف لے جاتے ۔ اب کوئی ملاقات کی امید نہ رکھتا : یہاں تک کہ عشاء کی اذان ہو ۔ اذان ہونے پر گھر سے نکلتے پھر خاص اور خاص الخاص اور وزراء اور دوسرے مقرّب افراد کو ملاقات کی اِذن ہوتی پھر وزراء آپ سے ان احکام پر گفتگو کرتے جن کا آپ نے اس رات ارادہ کیا ہوتا اور جاری کرنے ہوتے : آپ تہائی رات تک ہمیشہ عرب کے حالات اور ان کی تاریخ اور عجم اور بادشاہانِ عجم کے سیاسی اور جنگی واقعات اور ان کے اچھے کارناموں اور اُمم گذشتہ کی حکایات وغیرہ کے مطالعہ میں منہمک رہتے ۔ پھر آپ کی بیویوں کے پاس سے کھانے کی عمدہ اشیاء اور میٹھی چیز وغیرہ آتی ۔ پھر آپ اپنے گھر تشریف لے آتے اور صرف تہائی رات آرام فرماتے ۔ پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور وہ تاریخی دفاتر حاضر کیے جاتے جن میں بادشاہوں کے حالاتِ زندگی اور جنگی واقعات اور ہشیاری و چالاکی کے قصص مذکور ہوتے ۔ یہ دفاتر آپ کے بالترتیب نوجوان پڑھتے ۔ جن کے ذمہ ان تاریخی کتب و دفاتر کی حفاظت واجب تھی : بہرکیف آپ کے کانوں سے ہر رات تاریخی حالات و واقعات اور سیاساتِ عالم سے متعلق مختلف قسم کی خبریں ضرور گذرتیں :

اس کے بعد آپ نماز فجر ادا کرتے ۔ باقی حسب سابق وقت گذارتے :(عربی سے اردو ترجمہ)
کیا پاکیزہ نقشہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی
مصروف زندگی کا ۔

سرکاری و پرائیویٹ اس قدر مشاغل ؟ مگر مجال ہے کہ نماز باجماعت اور تلاوت
قرآن کریم ترک ہو : خدمتِ خلق و انسانی ہمدردی کا یہ عالم کہ پانچ مرتبہ ضرورت مند
افراد کو اپنے مسائل پیش کرکے ان کے حل کا موقع فراہم کرنے کی سہولت : تخت اقتدار
پر متمکن ہو کر بھی ذکرِ خدا سے دل ایسے آباد ہے اپنے قریبی حاشیہ نشین اشراف کی ڈیوٹی
ہمارے دور کے عیش کوش خدا فراموش حکام کی طرح یہ نہیں کہ ان کے منہ پر مدح و
توصیف کے گیت گا کر : سب اچھا : کے کلمات دہرا کر انھیں مطمئن کر دیا جائے
بلکہ انھیں یہ ذمہ داری سونپی کہ جو دکھی افراد ہم تک پہنچ نہیں پاتے ان کی مشکلات پیش
کریں تاکہ وہ بھی سکھ کا وقت گذاریں اور پھر ان مصروفیات کے شدید تقاضے کے
باوجود صرف تہائی رات خوابِ استراحت یہ تمام چیزیں آپ کی رعایا پروری ۔ حصول
عدل و انصاف ۔ حسنِ نظم و ضبط استحکام تدابیرِ مملکت رسوخِ تدبّر احساسِ ذمہ داری
کا پتہ دیتی ہیں شرفِ صحابیت ۔ کتابتِ وحی و مکتوباتِ نبوت : نبوت کی خصوصی
نظرِ کرم ۔ حسنِ اسلام مجاہدانہ کردار ۔ خدمتِ خلق ۔ ثقاہت و دیانت کے پیشِ نظر
آپ انھیں سعید ارواح میں سے ہیں جو امامِ عادل کا مصداق ٹھہرے اور قیامت کے
ہولناک احوال میں اللہ تعالیٰ کے عرشِ عظیم کے سائے میں ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا : الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن
الی عیالہ : خلقِ خدا اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب
وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ احسان کرے ۔

آپ کے دورِ حکومت پر شیعہ مؤرخ کا تبصرہ

حضرت العلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے اپنی کتاب: حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق: کے آخر میں ایک اثنا عشری شیعہ مؤرخ ابن طباطبا کا حضرت معاویہؓ کے دورِ حکومت پر ایک تبصرہ نقل فرمایا ہے جو اس نے اپنی کتاب الفخری میں تحریر کیا ہے اس کا اس رسالہ میں نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اس تبصرہ میں کہیں کہیں جانبداری سے بھی کام لیا گیا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے اس میں حقیقت زیادہ ہے اور تعصب کم ہے: چنانچہ ابن طباطبا لکھتا ہے: حضرت معاویہؓ دنیوی معاملات میں بہت ہی دانا تھے۔ فرزانہ و عالم تھے حلیم اور باجبروت فرماں روا تھے۔ سیاست میں کمال حاصل تھا اور دنیاوی معاملات کو سلجھانے کی اعلیٰ استعداد رکھتے تھے۔ دانا تھے فصیح و بلیغ تھے حلم کے موقع پر حلم اور سختی کے موقع پر سختی بھی کرتے تھے۔ لیکن حلم بہت غالب تھا سخی تھے۔ مال خوب دیتے تھے۔ حکومت کو پسند کرتے تھے۔ بلکہ اس سے دلچسپی تھی۔ رعایا کے شریف لوگوں کو انعامات سے نوازتے رہتے تھے۔ اس لیے قریشی شرفاء مثلاً عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ عبداللہ بن جعفر طیارؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ۔ ابان بن عثمان بن عفانؓ اور خاندانِ ابوطالب کے دوسرے لوگ دمشق کا سفر کرکے ان کے پاس جاتے تھے اور (حضرت) معاویہؓ خاطر تواضع اور مہمان نوازی کے علاوہ ان کی ضروریات پوری کرتے رہتے۔ یہ لوگ ہمیشہ ان سے سخت کلامی کرتے اور نہایت ناپسندیدہ انداز سے پیش آتے۔ لیکن یہ کبھی تو اسے ہنسی میں اڑا دیتے اور کبھی سُنی ان سُنی کر دیتے اور جب ان حضرات کو رخصت کرتے تو بڑے اعلیٰ تحائف اور انعامات دے کر رخصت کرتے۔ ایک بار انہوں نے ایک انصاری کے پاس پانچ سو دینار یا درہم بھیجے۔ انصاری نے بہت کم خیال کیا

اور اپنے بیٹے سے کہہ دیا کہ یہ رقعہ لے جاؤ اور (حضرت) معاویہؓ کے منہ پر مار کر واپس کر دو۔ پھر اس سے قسم دے کر کہا کہ جیسا میں نے بتایا ہے اسی طرح کرے۔ وہ رقعہ لے کر (حضرت) معاویہؓ کے پاس پہنچا اور کہا۔ اے امیر المؤمنین! میرے والد گرم مزاج اور جلد باز ہیں۔ انہوں نے قسم دے کر ایسا حکم دیا ہے اور میں ان کے خلاف جانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یہ سُن کر (حضرت) معاویہؓ نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ تمہارے والد نے جو کچھ حکم دیا ہے اسے پورا کر لو۔ مگر اپنے چچا کے (یعنی میرے) ساتھ نرمی بھی ملحوظ رکھو (یعنی زور سے نہ مارو) وہ صاحبزادے شرما گئے اور رقعہ ڈال دی (حضرت) معاویہؓ نے رقعہ دوگنی کر کے انصاری کو بھجوا دی۔ ان کے لڑکے یزید کو جب خبر ہوئی تو غصہ میں اپنے والد کے پاس آیا اور کہا۔ آپ حلم میں مبالغہ سے کام لینے لگے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ لوگ اسے آپ کی کمزوری اور بزدلی پر محمول کرنے لگیں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیٹے! حلم میں نہ کوئی ندامت کی بات ہے نہ برائی کی۔ تم اپنا کام کرو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اسی قسم کے کردار نے (حضرت) معاویہؓ کو خلیفۂ عالم بنا دیا اور مہاجرین و انصار میں ہر وہ شخص ان کے آگے جھک گیا جو اپنے آپ کو ان سے زیادہ حقدار خلافت سمجھتا تھا (حضرت) معاویہؓ مدبّر ترین انسان تھے (حضرت) عمر بن خطابؓ نے ایک بار اہلِ مجلس سے فرمایا۔ تم لوگ قیصر و کسریٰ اور ان کے خون کی تعریف کرتے ہو حالانکہ تمہارے اندر معاویہؓ موجود ہیں..... (حضرت) معاویہؓ کئی حکومتوں کے مربّی۔ کئی امتوں کی سیاست چلانے والے اور کئی ملکوں کے راعی تھے حکومت میں انہوں نے بعض ایسی چیزیں بھی ایجاد کیں۔ جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کی تھیں مثلاً انہوں نے سب سے پہلے فرماں رواؤں کے لیے باڈی گارڈ مقرر کیے جو ان کے سامنے ہتھیار تانے رہتے تھے اور جامع مسجد میں انہی نے مقصورہ تیار کرایا۔ جس میں فرماں روا اور خلیفہ لوگوں سے الگ الگ ہو کر تنہا نماز ادا کر سکے۔ امیر المؤمنین

علیہ السلام (علیؓ) کے ساتھ جو کچھ پیش آیا۔ اسی کے خوف سے (حضرت) معاویہؓ نے ایسا کیا اور انہی نے سب سے پہلے بَرید (ڈاک) کا وہ طریقہ اختیار کیا۔ جس سے جلد جلد خبریں مل جایا کریں۔ بَرید سے مراد یہ ہے کہ مختلف جگہوں پہ نہایت چست شہ سوار متعین کر دیے جائیں تاکہ جہاں ایک تیز رفتار خبر رساں پہنچے اور اس کا گھوڑا تھک چکا ہو تو دوسرا شہ سوار دوسرے تازہ دم گھوڑے پر آگے روانہ ہو جائے اور اسی طرح ایک چوکی سے دوسری چوکی تک تیزی کے ساتھ خبر پہنچ جائے۔ (حضرت) معاویہؓ (رضی اللہ عنہ) نے ملکی معاملات میں ایک نیا محکمہ جسے دیوانِ خاتم کہتے ہیں (یعنی مہریں ثبت کرنے کا محکمہ) یہ دوسرے قابل اعتبار محکموں میں سے ایک تھا۔ بنی عباس تک یہ طریقہ جاری رہا پھر بعد میں ترک کر دیا گیا۔ دیوانِ خاتم کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک محکمہ تھا جس میں کئی ملازمین ہوتے۔ جب کسی معاملہ میں خلیفہ کے دستخطوں سے کوئی حکم صادر ہوتا تو وہ پہلے اس محکمہ میں لایا جاتا اور اس کی ایک کاپی یہاں نتھی کر لی جاتی اور اسے موم (لاکھ) سے سربمہر کر دیا جاتا۔ اس کے بعد اس محکمہ کے افسر اعلیٰ کی مہر لگا دی جاتی (حضرت معاویہؓ معاملاتِ دنیوی کو حل کرنے میں ہمیشہ مصروف کار رہتے تھے۔ ان کی فرماں روائی بڑی مستحکم تھی اور پیچیدہ معاملہ ان کے لیے آسان تھا۔ عبدالملک بن مروان کو دیکھئے وہ اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ یہ جب (حضرت) معاویہؓ کی قبر پر گئے اور ان کے لیے دعائے خیر کرنے لگے تو ایک شخص نے پوچھا کہ اے امیرالمؤمنین یہ کس کی قبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ جہاں تک میرا علم اس شخص کے بارہ میں ہے وہ یہ ہے کہ صاحبِ قبر پوری واقفیت کے بعد بولتا تھا اور حلم کی وجہ سے خاموش رہتا تھا۔ جسے دیتا اسے غنی کر دیتا اور جس سے لڑتا اسے فنا کر ڈالتا تھا (حضرت) عبداللہؓ بن عباس جو بڑے نقاد تھے۔ کہتے ہیں کہ ریاست فرماں روائی کی طرف توجہ دینے میں (حضرت) معاویہؓ سے زیادہ لائق میں نے اور کسی کو نہیں دیکھا (الفخری ابن طباطبا شیعی ص ۱۲۹)

اس تبصرہ سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کمالات کی گواہی دینے پر سبائیت کے نیم منصف مزاج لوگ بھی مجبور ہیں۔

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

خلیفۂ راشد رابع حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین فرقِ مراتب بیان کرتے ہوئے حضرت امام اہل سنت علامہ عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین کی پہلی صف کے بھی اکابر میں سے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صفِ نعال (جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعثِ فخر ہے (بحوالہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۷۷ء)

صحابیٔ رسول کی وفات پر جشنِ مسرّت

کسی بزرگ کو کسی شخص نے ان کے مخالف شخص کی وفات کی اطلاع خوشخبری کے انداز میں دی تو بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی۔

مرا بمرگِ عدو جائے شادمانی نیست
کہ زندگانیٔ ما نیز جاودانی نیست

میرے لیے دشمن کی موت مقامِ خوشی نہیں ہے۔ آخر ہماری زندگی بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں (اسی راستے ایک دن ہم نے بھی جانا ہے)۔

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے
جائے گا کبھی تو بھی اسی راہ گذر سے

اسی لیے زیرک و دانشمند لوگ مخالف کی موت پر ہی نہیں کہ خوش نہیں ہوتے بلکہ زندگی میں پیش آمدہ اختلافات و نزاعات اور قلبی کدورتیں بھی ختم کر دیتے ہیں اور دنیا کا سفر ختم کرنے والے مُردہ کے لیے سبّ و شتم اور اخلاقی اقدار سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کرنے سے امکانی حد تک گریز کرتے ہیں اور جب فوت ہونے والا اپنے عہدہ و مرتبہ شان و منصب کے اعتبار سے کوئی امتیازی حیثیت کا حامل ہو تو اس بات کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے : ابنِ سبا اور اس کی ذریت نے جو طوفان حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت معاویہؓ وغیرہما صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے خلاف اٹھایا تھا یہ سلسلہ ان حضرات کے دنیا سے چلے جانے کے بعد رک جانا چاہیے تھا ؛ مگر کیا کیجیے ابنِ سبا نے اپنے پیروؤں کو تربیت ہی خاص مقاصد کے تحت دی تھی کہ یہ طوفان یوماً فیوماً بڑھتا ہی جا رہا ہے: یہی وجہ ہے کہ تبرّا (صحابہ کرام کے خلاف بکواس) اس خدا فراموش طبقہ کے مذہب کی بنیادی و اصولی چیزوں میں شامل ہے ۔

کونڈوں کی رسمِ قبیح کا اجراء

جب ابنِ سبا کی ذریت شیعہ فرقہ کی آتشِ غضب حضرت معاویہؓ کو تحریراً و تقریراً جی بھر کر کوسنے سے بھی ٹھنڈی نہ ہوئی تو امیر مینائی کے صاحبزادہ خورشید احمد مینائی سبائی نے ۱۹۰۶ء میں ۲۲ ۔ رجب کو (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات ہے) جشنِ مسرّت منانے کی بدعت و رسمِ قبیح کا اجراء کیا اور والیٔ رام پور نواب حامد علی خان نے اس کی اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا ؛ خورشید احمد مینائی نے : داستانِ عجیب: کے نام سے ایک فرضی اور من گھڑت کہانی چھپوا کر اپنے حلقہ میں تقسیم کی ؛ جس میں ظاہر کیا گیا کہ جو شخص ۲۲ ۔ رجب کو بازار سے نئے کونڈے خرید کر لائے اور گھر لا کر انہیں گھی میں تلی ہوئی میٹھی اور خستہ پُوریوں سے بھرے اور پھر چادر بچھا کر اس پر کونڈے رکھ کر حضرۃ

جعفر صادق کے نام کی فاتحہ دلائے گا تو اس کی ہر حاجت پوری ہوگی : اور ہر مشکل حل جائے گی :" خط کشیدہ الفاظ سے ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ کسی پیٹ پرست کی من گھڑت ہے: کیونکہ ایصال ثواب کے لیے اگر اللہ تعالیٰ کی رضا ملحوظ رکھ کر کوئی چیز بھی مستحق کو دیدی جائے تو کافی ہے اولیائے کرام کے لیے شرعی طریقہ پر ایصال ثواب امر مستحسن ہے۔ اس میں نہ تو نئے کونڈوں کی ضرورت نہ گھی میں تلی ہوئی پوری ہونے کی شرط اور نہ میٹھی خستہ ہونے کی قید۔ پھر نہ صاف چادر بچھا کر اس پر کونڈے دھرنے کا التزام ؛ مزید یہ کہ آپ اس فرقہ کی چالاکی و مکاری کا اندازہ لگائیے کہ جب اہل سنت وجماعت کو اس جشن میں شریک کر کے ان کی مذہبی غیرت کا جنازہ نکالنا چاہتے ہیں تو دھوکہ دینے کے لیے اس پر جعفر صادق کی فاتحہ کا سائن بورڈ آویزاں کر دیتے ہیں : ستم یہ ہے کہ اس طریقہ فاتحہ کو حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے میں یہ فرقہ کچھ بھی تو شرم محسوس نہیں کرتا : علاوہ ازیں ۲۲ رجب حضرت جعفر صادق کی ولادت یا وفات کی تاریخ ہوتی تب بھی اس فاتحہ کا کوئی معنے ہوتا : مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کا سن ولادت شیعی کتب کشف الغمہ جلد دوم اور شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول اور جلاء العیون ص ۵۲۱ ۵۲۲ کے مطابق ۸۰ھ یا ۸۳ھ (۸ ر رمضان المبارک) ہے اور کشف الغمہ میں ۸۰ھ کے قول کو اصح (زیادہ صحیح) قرار دیا گیا ہے اور آپ کی تاریخ وفات ۱۵ ر شوال المکرم ۱۴۸ھ ہے ؛ معلوم ہوا کہ بائیس رجب کو کونڈے پکا کر اور اپنے بچوں کو اچھے کپڑے پہنا کر حضرت معاویہؓ کی وفات پر جشن مسرت منانے کا اظہار ہوتا ہے : شیعی جنتریوں اور رسائل میں ۲۲ ر رجب کو یوم ہلاکت معاویہ لکھا جاتا ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

سُنّی بھائیوں سے سوال

آپ بائیس ۲۲ رجب کونڈے پکاتے ہیں یا نہ ؟ اگر پکاتے ہیں تو خدارا مذہبی غیرت

کا ثبوت دیتے ہوئے آئندہ کے لیے اس عمل کو بالکل ترک کر دیں اور اگر نہیں پکاتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ایسی قبیح رسم سے محفوظ رکھا جس کی بنیاد صحابہ کرام پر تبرا کرنے اور حضرت جعفر صادقؒ کے نام سے دھوکہ دینے اور تنورِ شکم بھرنے پر ہے

برادرانِ اسلام

مذہب اسلام پر ملحدین کی یلغار کو روکنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب کی عزت و آبرو کا تحفظ نیز رسوم جاہلیت و بدعات کو مٹانا اور سنن نبویہ کو رائج کرنے کی کوشش کرنا ہم سب کا مشترک مذہبی فرض ہے جس کا بجالانا دنیاوی و اخروی فلاح کا ضامن ہے اور اس میں کوتاہی اخروی مواخذہ کا باعث ہے۔ آئیے ہم سب مل کر دین الٰہی کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیں جو ہاتھ سے چھوٹ سکتی ہے۔ مگر ٹوٹ نہیں سکتی۔

اللہ کی رسی تو نہ ٹوٹے گی نہ ٹوٹی
افسوس تو یہ ہے کہ مرے ہاتھ سے چھوٹی

آخر میں تمام اہل سُنت وجماعت بزرگوں۔ بھائیوں اور احباب و متعلقین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس ناکارہ و آوارہ کو اور اس کے تمام قرابت داروں اور دوستوں کو اپنی دعواتِ صالحہ میں یاد رکھیں احسان ہوگا۔

حق تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان اور اپنے ذکر پر فرمائے : (آمین ثم آمین)

راقم السطور۔ خادمِ اہل السُنۃ والجماعۃ اکابر دیوبند

قیام الدین الحسینی عفا اللہ عنہ

ناظمِ تعلیمات و شعبۂ تبلیغ ادارہ اشرفیہ فیض القرآن

وخطیب مرکزی جامع مسجد عثمان غنی پنڈ دادنخان ضلع جہلم

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ بمطابق ۱۴ جنوری ۱۹۸۸ء